شذرات

آزادی رائے، مغرب اور امت مسلمہ	محمد عمار خان ناصر	۲
مصعب اسکول سسٹم	منظور الحسن	۶

قرآنیات

آل عمران (۳: ۱۷۶-۱۸۹)	جاوید احمد غامدی	۱۵

معارف نبوی

عورت کے لباس کے بارے میں ایک روایت	معز امجد	۲۱
ایمان کا ذائقہ	طالب محسن	۲۳
زندہ جانور کے گوشت کی حرمت	ساجد حمید	۲۷

دین و دانش

ایمانیات (۵)	جاوید احمد غامدی	۳۱

نقطۂ نظر

چہرے کا پردہ اور ''حکمت قرآن''	پروفیسر خورشید عالم	۳۷

سیر و سوانح

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۳)	محمد وسیم اختر مفتی	۴۷

یسئلون

متفرق سوالات	جاوید احمد غامدی/معظم صفدر	۵۵

وفیات

مولانا سید وصی مظہر ندوی	محمد اسحق	۶۱

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

محمد عمار خان ناصر

آزادی رائے، مغرب اور امت مسلمہ

ڈنمارک کے ایک اخبار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور گستاخی پر مبنی خاکوں کی اشاعت سے عالم اسلام میں احتجاج کی جو طوفانی لہر پیدا ہوئی تھی، جذبات کا کتھارسس ہو جانے کے بعد حسب توقع مدھم پڑتی جا رہی ہے۔ مذہبی قائدین کی توجہ فطری طور پر دوسرے مسائل نے حاصل کر لی ہے اور خدانخواستہ اس نوعیت کے کسی آیندہ واقعے کے رونما ہونے تک، عوامی سطح پر پائے جانے والے مذہبی جذبات بھی بظاہر پرسکون ہو چکے ہیں۔ اس طرح کے کسی بھی بحران میں امت مسلمہ کی جانب سے اختیار کردہ حکمت عملی کا تجزیہ، غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشان دہی، مستقبل کی پیش بینی اور اس حوالے سے کسی ٹھوس لائحۂ عمل کی تیاری اگرچہ ہماری روایت کے خلاف ہے، تاہم اس میں کوئی حرج نہیں کہ تازہ واقعے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات و واقعات سے صورت حال کے جو توجہ طلب پہلو ابھر کر سامنے آئے ہیں، ان پر کم سے کم ایک نظر ہی ڈال لی جائے۔

مغرب اور عالم اسلام کے مابین پرامن تعلقات کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید، پیغمبر اسلام یا مسلمانوں کے مذہبی شعائر کی توہین پر مبنی اس طرح کے واقعات ظہور پذیر نہ ہوں۔ اس ضمن میں بنیادی الجھن یہ ہے کہ مغربی معاشرہ چونکہ ایک خاص فکری ارتقا کے نتیجے میں مذہبی معاملات کے حوالے سے حساسیت کھو چکا ہے، نیز وہاں ریاستی نظم اور معاشرے کے مابین حقوق اور اختیارات کی بھی ایک مخصوص تقسیم وجود میں آ چکی ہے، اس وجہ سے مغربی حکومتیں قانونی سطح پر ایسے واقعات کی روک تھام کی کوئی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس صورت حال میں امت مسلمہ کا لائحۂ عمل کیا ہونا چاہیے؟ اس سوال کے جواب میں اختلاف رائے موجود ہے۔ ایک مکتب فکر کی

رائے یہ ہے کہ معروضی حالات میں دعوتی اسپرٹ کے تحت اس طرح کے واقعات کے حوالے سے صبر واعراض سے کام لیا جائے اور اسلام کا پیغام مثبت طریقے سے مغربی دنیا تک پہنچانے پر اکتفا کی جائے۔ دوسرا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ اس ضمن میں امت مسلمہ کی حساسیت کو مغرب اور اسلام کے مابین تعلقات کے حوالے سے باقاعدہ ایشو بننا چاہیے اور مغرب کو عالم اسلام کا موقف سننے، اس پر غور کرنے اور اس کو وزن دینے پر حتی الوسع مجبور کرنا چاہیے۔ ہم اس اختلاف کو حکمت عملی کا اختلاف سمجھتے اور اس حوالے سے دونوں نقطہ ہاے نظر کے مابین تفصیلی مباحثے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تاکہ دونوں لائحہ ہاے عمل کے مضمرات پوری طرح سامنے آسکیں۔ تاہم ہماری ناقص رائے میں دوسری اپروچ زیادہ عملی اور امت مسلمہ کے جذبات ونفسیات کے زیادہ قرین ہے۔

اگر عالم اسلام سیاسی واقتصادی لحاظ سے اس پوزیشن میں ہوتا کہ مغرب کو اپنا موقف ''سمجھا'' سکے تو معاملہ نسبتاً آسان ہو جاتا، لیکن جیسا کہ واضح ہے، یہ حل سر دست میسر نہیں۔ حالیہ واقعات نے، البتہ، مسئلے کے ایک اور پہلو کو نمایاں کیا ہے اور وہ یہ کہ مغربی معاشرے کے نمایاں اور فہیم طبقات نے، بالعموم، اس مسئلے کے حوالے سے امت مسلمہ کے ساتھ اخلاقی ہمدردی کا اظہار کیا ہے اور مغربی ذرائع ابلاغ پر زور دیا ہے کہ وہ کسی بھی مذہبی گروہ کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے سے گریز کریں۔ اس ضمن میں یورپی پارلیمنٹ کی منظور کردہ قرارداد کو ہمارے خیال میں اہل مغرب کے عمومی زاویۂ نگاہ کا ترجمان قرار دیا جا سکتا ہے۔ یورپی پارلیمنٹ کی قرارداد میں ذرائع ابلاغ سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ آزادی رائے کے حق کو انسانی ومذہبی حقوق کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے استعمال کریں۔ قرارداد میں مزید کہا گیا ہے کہ آزادی رائے کے حق کے استعمال کے نتیجے میں اگر کسی فرد یا گروہ کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے تو اس کی تلافی کے لیے اسے عدالت کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اس مقصد کے لیے (قرارداد کے مطابق) یورپی ممالک میں نافذ موجودہ قوانین کافی ہیں۔

یہ ردعمل بدیہی طور پر اس ردعمل سے مختلف ہے جو مغربی دنیا نے سلمان رشدی کے معاملے میں ظاہر کیا تھا۔ غور کیا جائے تو اس کا سبب خود ہماری حکمت عملی میں پوشیدہ ہے۔ سلمان رشدی کے معاملے میں مغرب کی اخلاقی حس کو اپیل کرنے کے بجائے اس کے قانونی دائرۂ اختیار کو چیلنج کرتے ہوئے رشدی کے قتل کا فتویٰ صادر کیا گیا تھا، جبکہ حالیہ واقعے میں ہم نے عالمی فورم پر یہ مسئلہ اصلاً اخلاقی سطح پر اٹھایا۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ بعد میں رونما ہونے والے پرتشدد واقعات کے باوجود مغربی دنیا معاملے کو اخلاقی زاویے ہی سے دیکھنے پر مجبور ہوئی اور امت مسلمہ کا موقف اور جذبات ایک حد تک اہل مغرب تک پہنچ سکے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اہل مغرب کی عمومی اخلاقی حس اور عالم اسلام کے

ساتھ پرامن تعلقات کے قیام کی خواہش کو، جو وسیع پیمانے پر پائی جاتی ہے، حکمت اور دانش کے ساتھ وسیلہ بنایا جائے تو مغربی معاشرے میں مذہبی نوعیت کی نہ سہی، سیاسی ومفاداتی نوعیت کی سہی، وہ حساسیت پیدا کی جا سکتی ہے جس کا فقدان اس وقت عالم اسلام کے احساسات وجذبات کی کماحقہ رعایت میں مانع ثابت ہو رہا ہے۔

تازہ صورت حال کا ایک اور مثبت اور قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ اس نوعیت کے گزشتہ واقعات کی طرح، اس واقعے کے بعد بھی مغربی عوام میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں مزید جاننے اور بہتر واقفیت حاصل کرنے کے جذبے کو مہمیز ملی ہے۔ امریکی مسلمانوں کی تنظیم ''کیر'' (Council for American-Islamic Relationship) کی طرف سے جاری کردہ ایک بیان میں بتایا گیا ہے کہ حالیہ بحران کے بعد جب کونسل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کرنے کی ایک مہم کا آغاز کیا تو صرف ۴۸ گھنٹے کے اندر امریکا اور کینیڈا سے ۱۶۰۰ پیغام موصول ہوئے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔ گزشتہ سال مئی ۲۰۰۵ میں امریکی فوجیوں کی جانب سے گوانتانا موبے میں قرآن مجید کی بے حرمتی کے واقعات سامنے آئے تو اس موقع پر بھی ''کیر'' نے قرآن مجید کے مترجم نسخے پھیلانے کی مہم شروع کی اور ہزاروں امریکیوں نے قرآن مجید کا نسخہ حاصل کرنے کے لیے کونسل کے ساتھ رابطہ کیا۔ امت مسلمہ اور بالخصوص دیار مغرب کے مسلمانوں کو مغربی دنیا میں پیدا ہونے والے اس تجسس اور جذبۂ جستجو کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور اس فضا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکمت اور دانش کے ساتھ اسلام اور پیغمبر اسلام کی اصل تصویر اہل مغرب کے سامنے پیش کرنی چاہیے۔

یہ تو وہ پہلو ہیں جن کا تعلق اسلام اور مغرب کے باہمی روابط سے ہے۔ اس کے علاوہ امت مسلمہ کی داخلی صورت حال اور رویے کے حوالے سے بھی چند امور قابل توجہ، بلکہ درست تر الفاظ میں قابل اصلاح ہیں:

پہلی چیز یہ ہے کہ دنیا کو اخلاقیات کا درس دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اپنے گھر کا جائزہ لے کر یہ دیکھیں کہ دوسرے مذہبی گروہوں کے جذبات کے احترام کے حوالے سے خود ہماری اخلاقی صورت حال کیا ہے۔ افسوس ہے کہ اس ضمن میں کوئی اچھی مثال دینے کے لیے بالعموم ماضی ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہماری تاریخ کے دور اول نے یہ منظر بھی دیکھا کہ فتح اسکندریہ کے موقع پر جب کسی مسلمان سپاہی کے پھینکے ہوئے تیر سے سیدنا مسیح علیہ السلام کی تصویر کی ایک آنکھ پھوٹ گئی تو اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاص نے 'قصاص' کے لیے اپنی آنکھ پیش کر دی، اور اب دور زوال میں ہم نے اس ''اجتماعی اخلاقیات'' کا مظاہرہ بھی کیا کہ خالص سیاسی محرکات کے تحت دنیا کے ایک بڑے مذہب کے بانی گوتم بدھ کے مجسمے تباہ کیے گئے تو اسے بت شکنی کی روایت کا احیا قرار دے کر اس پر داد وتحسین

کے ڈونگرے برسائے گئے۔ ہمارے ہاں ایک مذہبی گروہ کے ''پیغمبر'' کے بارے میں تضحیک، تمسخر اور توہین پر مبنی جو لٹریچر شائع ہوتا اور مذہبی جلسوں میں جو زبان معمول کے طور پر استعمال کی جاتی ہے، وہ ہماری اخلاقی سطح کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔

دوسری چیز، جو اہمیت کے لحاظ سے کسی طرح بھی پہلی سے کم نہیں، یہ ہے کہ اہل اسلام نے، کم از کم مغرب میں رونما ہونے والے واقعات پر ردعمل ظاہر کرنے کے حوالے سے، توہین رسالت کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک محدود کر رکھا ہے۔ مغرب میں سیدنا مسیح علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کے بارے میں بھی توہین اور گستاخی کا رویہ موجود ہے اور اس کا اظہار مختلف واقعات کی صورت میں ہوتا رہتا ہے، لیکن ہمارے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں کہ امت مسلمہ نے، امت کی سطح پر نہ سہی، انفرادی یا اداراتی سطحوں پر ہی اس حوالے سے غم و غصے کے جذبات اہل مغرب تک پہنچانے کی کوشش کی ہو۔ اللہ کے پیغمبروں کے مابین یہ تفریق اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ مذہبی و سیاسی مخاصمت ہماری نفسیات پر اس درجے میں اثر انداز ہو چکی ہے کہ ہم نے ''اپنے'' پیغمبر اور ''ان کے'' پیغمبروں کے مابین بھی حد فاصل قائم کر لی ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ ہمیں توہین و تضحیک اور تنقید کے مابین فرق کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا ہو گا۔ توہین و تمسخر کا جواب تو یقیناً اعراض یا پر امن احتجاج ہے، لیکن اسلام یا پیغمبر اسلام پر کی جانے والی کوئی تنقید اگر علمی یا استدلالی پہلو لیے ہوئے ہے تو اس کو اسی زاویے سے دیکھنا چاہیے۔ ہماری رائے میں قرآن کے مقابلے میں کسی کا 'الفرقان' پیش کرنا قرآن کی توہین نہیں، بلکہ اس پر تنقید ہے، اور اس پر احتجاج کرنا ایک بے معنی بات ہے۔ اپنے جیسا کلام پیش کرنے کا چیلنج خود قرآن نے جن و انس کو دے رکھا ہے اور اگر کوئی شخص اس چیلنج کے جواب میں کوئی کاوش کرتا ہے یا کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اگر ہمارا قرآن مجید کے ایک معجز کلام ہونے کا دعویٰ محض اعتقادی نہیں ہے تو پھر کسی کو اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس طرح کی کوئی بھی کوشش قرآن کے چیلنج کو مزید موکد کرنے کے سوا اور کوئی خدمت انجام نہیں دے سکے گی۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

منظور الحسن

مصعب اسکول سسٹم

[المورد کا ایک تعلیمی منصوبہ]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

''مصعب اسکول سسٹم'' اسلامی تشخص کا آئینہ دار ایک جدید تعلیمی ادارہ ہے۔ یہ اس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام ایسے افراد تیار کرنے سے قاصر ہے جو اعلیٰ سیرت و کردار کے حامل ہوں اور علم و فن کے میدان میں کارہاے نمایاں انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس نظام میں ایک جانب وہ روایتی اسکول ہیں جو قومی شعبے کے ماتحت ملک کے طول و عرض میں قائم ہیں۔ ان کے بارے میں یہ بات ہر سطح پر تسلیم شدہ ہے کہ ان کے نصاب فرسودہ اور طریق تدریس پس ماندہ ہے۔ لہٰذا یہ اس کی استطاعت ہی نہیں رکھتے کہ علم و فن کے ارتقا کو جزو نصاب بنا سکیں اور تعلیم و تدریس کے وہ اسالیب اختیار کر سکیں جن کے بغیر جدید علوم و فنون تک رسائی کم و بیش ناممکن ہے۔ ان میں بالعموم وہ نصاب پڑھائے جاتے ہیں جو دنیا میں ترک کیے جا چکے ہیں اور ان کے لیے بھی تفہیم کے بجائے حفظ و یادداشت کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان سے فارغ ہونے والے طلبہ ان علوم سے کم و بیش ناواقف ہوتے ہیں جن کی تحصیل کی اسناد انھیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا کہ تعلیم کا مقصد محض روزگار کا حصول قرار پاتا ہے اور علوم پر غور و فکر اور ان کی بنا پر تحقیق و دریافت کے وہ اہداف بالکل مفقود ہو جاتے ہیں جنھیں حاصل کر کے کوئی قوم دنیوی ترقی کی منزلیں طے کر سکتی ہے۔

دوسری جانب نجی شعبے میں قائم جدید تعلیمی ادارے ہیں۔ ان کے نصاب تعلیم اور طریق تدریس کا معیار اگرچہ قومی شعبے میں قائم تعلیمی اداروں کے مقابلے میں بہتر ہے، مگر ان کا فساد یہ ہے کہ یہ نئی نسل کا تعلق اس کی قومی اور

تہذیبی روایات سے منقطع کرنے پر مصر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ شرم وحیا، ایثار وقربانی، ادب واحترام، مروت و پاس داری، شایستگی وخوش اسلوبی، سنجیدگی ومتانت اور غیرت وخودداری جیسی وہ اقدار جو ہماری معاشرت کا طرۂ امتیاز ہیں، ان میں کم ترین اوصاف کی حیثیت سے شمار کی جاتی ہیں۔ ان کے نصابات میں وہ موضوعات بہت قدر کے حامل ہوتے ہیں جن کا ہدف انسان کی مادی ترقی ہے اور وہ مضامین جن کا مقصد انسان کی تہذیب نفس اور اس کی اخلاقی اصلاح ہے یا جو دینی اور ملی حمیت کو بیدار کرتے ہیں، بے وقعت قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ ان درس گاہوں کے فارغ التحصیل اپنے قومی تشخص سے بے گانہ اور تہذیبی اقدار سے عاری ہوتے ہیں۔

ان دونوں طرح کے اداروں میں جس چیز کو قدر مشترک کی حیثیت حاصل ہے، وہ ان کا اپنی روح میں لادینی ہونا ہے۔ چنانچہ زبان وادب، اخلاقیات وعمرانیات، سائنس اور ٹیکنالوجی اور دیگر علوم وفنون کی تدریس کے لیے جو نصاب ان درس گاہوں میں رائج ہے، اس میں:

> ''یہ کارخانۂ عالم بغیر کسی خالق کے وجود میں آتا اور بغیر کسی مدبر ہی کے چلتا نظر آتا ہے۔ انسان اس میں آپ ہی اپنی تقدیر بناتا اور آپ ہی اسے بگاڑتا ہے۔ قانون وسیاست اور معیشت ومعاشرت کے سارے اصول اس میں 'بغیر هدی و لا کتاب منیر' وجود میں آتے اور دنیا انھی کی روشنی میں اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ انسان کی تاریخ اس میں انسان سے شروع ہوتی اور انسان ہی پر ختم ہو جاتی ہے۔ ذات خداوندی کے لیے اس میں نہ ابتدا میں کوئی جگہ ہے، نہ انتہا میں۔ اس سلسلۂ روز وشب کے بارے میں یہ بات اس نصاب کی روح میں سرایت کیے ہوئے ہے کہ وہی درحقیقت ابتدا، وہی انتہا اور وہی باطن وظاہر ہے۔ چنانچہ اس کی تعلیم پانے والے بغیر کسی ترغیب ودعوت کے آپ سے آپ اس نقطۂ نظر کے حامل بن جاتے ہیں کہ زندگی خدا سے بے تعلق ہو کر بھی بسر کی جا سکتی ہے اور دنیا کا نظام اس کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر بھی چلایا جا سکتا ہے۔.... اس نظام کی اس لادینی فطرت نے صرف یہ ذہنی ارتداد ہی ہماری قوم کے کارفرما عناصر میں پیدا نہیں کیا، اس کے ساتھ انھیں اس سیرت و کردار سے بھی محروم کر دیا ہے، جس کے بغیر کوئی قوم دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس میں یہ بات کبھی پیش نظر نہیں رہی کہ تعلیمی ادارے صرف کتابیں پڑھا دینے کے لیے قائم نہیں کیے جاتے، ان کا ایک بڑا مقصد کسی قوم کے بنیادی نظریے کے مطابق اس کی آیندہ نسلوں کی تربیت اخلاق اور تہذیب نفس بھی ہے۔... چنانچہ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری یہ نئی نسل اپنی قوم کے ماضی سے بے گانہ، حال سے بے پروا اور مستقبل سے بے تعلق ہے۔''

(مقامات، جاوید احمد غامدی ۱۳۰)

یہ وہ پس منظر ہے جس میں ''مصعب اسکول سسٹم'' کو قائم کیا گیا ہے۔ اس پس منظر میں یہ ایک نئے نظام تعلیم کا

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

علم بردار ہے۔اس کے اہداف رائج تعلیمی نظام کے مقابلے میں بالکل منفرد ہیں۔اس کی دس سالہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ یہ امت مسلمہ کی تعلیمی اور تہذیبی روایت کو قائم رکھنے میں کوشاں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس ترقی کا بھی داعی ہے جو شرق وغرب کی اقوام نے جدید علوم وفنون کے میدان میں کی ہے۔

''مصعب اسکول سسٹم'' میں تعلیم و تدریس کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اس کے اہم نکات یہ ہیں:

ـــــ اسلام ـــــ

تدریس قرآن

قرآن مجید کی تدریس ''مصعب'' کا خاص امتیاز ہے۔طلبہ کو ابتدائی جماعتوں ہی سے کتاب الٰہی سے متعلق کر دیا جاتا ہے اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ آخری جماعتوں تک پہنچتے پہنچتے وہ اس قابل ہو جائیں کہ اسے اپنی زندگی کے لیے مشعل راہ بنا سکیں۔اس مقصد کے لیے حسب ذیل طریقہ اختیار کیا جاتا ہے:

اولاً، تجوید یعنی الفاظ قرآن کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

ثانیاً، عربی زبان کی اس قدر تعلیم دی جاتی ہے کہ طلبہ بتدریج اس مقام کو حاصل کر لیں کہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے اس کے پیغام کو براہ راست سمجھ سکیں۔

ثالثاً، طلبہ کو قرآن کے منتخب اجزا یاد کرائے جاتے ہیں جنھیں وہ نماز میں تلاوت کرتے ہیں۔

رابعاً، انھیں اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ اس کتاب ہدایت کو سمجھ کر اور نہایت غور وفکر کے ساتھ پڑھیں۔ جہاں اس کے مفہوم کو سمجھنے میں مشکل پیش آئے وہاں ترجمے یا تفسیر کی کتابوں سے رجوع کریں۔

خامساً، یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ علم وفکر کو اس کے تابع رکھیں اور زندگی کا ہر لائحۂ عمل اسی کی رہنمائی میں مرتب کریں۔

اسلامیات

دیگر اسکولوں کی طرح ''مصعب'' میں بھی اسلامیات ایک الگ مضمون کی حیثیت سے جز و نصاب ہے، مگر اس کی نوعیت دو پہلوؤں سے نسبتاً مختلف ہے: ایک یہ کہ اس کی حیثیت دیگر مضامین کے مقابلے میں اہم ترین مضمون کی ہے

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اور دوسرے یہ کہ اس کے نصاب میں ایسے اضافے کیے گئے ہیں جن کے بعد یہ مضمون محض چند معلومات کا مجموعہ نہیں رہتا، بلکہ اس سے بہت آگے بڑھ کر اسلام کے پیغام کو طلبہ کے ذہنوں میں راسخ کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

نماز کا اہتمام

اسکول کے اوقات میں ظہر کی نماز کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ طلبہ اپنے ان اساتذہ کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں جن سے وہ ذہنی اور قلبی طور پر وابستہ اور متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان میں نماز کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور اللہ سے تعلق اور اس کی عبادت کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ مسلسل عمل انھیں اس بات کی طرف متوجہ کر دیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی خدا کے بندے بن کر گزاریں۔

ـــــ سائنس ـــــ

www.javedahmadghamidi.net
www.ghamidi.com

طلبہ کو سائنسی علوم کی اہمیت کا ادراک

یہ حقیقت ہے کہ حساب، کیمیا، طبیعات، حیاتیات، معاشیات اور اس نوع کے دیگر علوم وفنون ہی فرد اور معاشرے کی مادی ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ ''مصعب'' کے طلبہ کو یہ بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ موجودہ زمانے میں قوموں کی ترقی کا راز انھی کے حصول میں مضمر ہے۔ جن اقوام نے ان پر دسترس حاصل کی ہے، وہی اس وقت ترقی یافتہ اقوام کی حیثیت سے دنیا میں سرگرم عمل ہیں۔ اگر ہم بھی قومی سطح پر کسمپرسی کی حالت سے چھٹکارا پانا چاہتے اور عالمی سطح پر کوئی کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں سائنس اور دیگر جدید علوم کے میدان میں آگے بڑھنا ہو گا۔ اس ضمن میں طلبہ پر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ یہ علوم تہذیب مغرب کی علامت یا غیر مسلم اقوام کا اجارہ ہرگز نہیں ہیں۔ یہ انسانیت کی اجتماعی میراث ہیں اور ان کی پرداخت میں مسلمانوں کا حصہ کسی طرح بھی دیگر اقوام سے کم نہیں ہے۔ مسلمانوں نے ان کی خدمت اس زمانے میں کی ہے جب اہل مغرب ان سے بالکل نا آشنا تھے۔ یہ پروردگار کی عنایت ہیں اور ان کے حصول اور استعمال پر انسانی فلاح و بہبود کا انحصار ہے۔

جدید ترین نصاب

''مصعب'' میں سائنسی علوم کی تدریس کے لیے جدید ترین نصاب کو اختیار کیا جاتا ہے۔ ان علوم میں روز بروز ارتقا کے نتیجے میں ہونے والی نصابی تبدیلیوں پر نگاہ رکھی جاتی ہے اور انھیں ترجیح اول کے طور پر جزو نصاب بنایا جاتا

ہے۔

لیبارٹری اور کمپیوٹر لیب

سائنسی تجربات کے لیے ''مصعب'' میں تجربہ گاہ بھی موجود ہے۔ طلبہ اپنے اساتذہ کی رہنمائی میں نصاب میں شامل مختلف تجربات کرتے ہیں۔ کمپیوٹر لیب بھی موجود ہے۔ اس میں طلبہ نصابی اسباق کی مشق کرتے ہیں اور انٹرنیٹ اور سی ڈی پر موجود مختلف سائنسی علوم کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔ اس ضمن میں او لیول اور اے لیول کے طلبہ کو اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ سائنسی علوم کی ویب سائٹس سے استفادہ کریں اور جدید تحقیقات سے آگاہ رہیں۔

زبانوں کی استعداد

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اردو

اردو زبان ہماری قومی اور تہذیبی روایات کی حامل ہے۔ ''مصعب'' میں اسے ایک اعلیٰ زبان کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ مختلف سرگرمیوں کے ذریعے سے طلبہ کے اندر اچھی سطح پر اردو بولنے اور لکھنے کی صلاحیتیں پروان چڑھائی جاتی ہیں۔ قرآنی علوم، قومی، ملی اور تہذیبی اقدار کی تعلیم کے لیے اسی زبان کو اختیار کیا جاتا ہے۔

انگریزی

انگریزی زبان جدید علوم و فنون کی حامل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے بین الاقوامی سطح پر مشترک ذرائع ابلاغ کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی ہے۔ اس بنا پر اس کی اہمیت غیر معمولی ہے۔ چنانچہ ''مصعب'' کا ہدف یہ ہے کہ طلبہ اسے سمجھنے، بولنے اور لکھنے کی بہترین استعداد پیدا کر سکیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مخصوص نصاب ہی پر انحصار نہیں کیا جاتا، بلکہ پورا ماحول فراہم کیا جاتا ہے، جس میں طلبہ اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کرنے کی مشق کرتے ہیں۔ مزید براں سائنس کے مضامین کی تدریس کے لیے یہی زبان اختیار کی جاتی ہے۔

عربی

''مصعب'' میں عربی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس کا مقصد طلبہ کے اندر یہ صلاحیت پیدا کرنا ہے کہ وہ

قرآن وحدیث کے متن کا مطالعہ کر کے ان کے پیغام کو براہ راست سمجھ سکیں۔

شخصی تعمیر

سیرت وکردار

بچوں کے کردار کی تعمیر ''مصعب'' کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ اس ضمن میں جس اصول کو اساس کی حیثیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کی علم و ہنر میں ترقی بے فائدہ ہے، اگر وہ اخلاق وکردار میں ترقی نہیں کرتا۔ کوئی شخص اچھا سائنس دان ہوسکتا ہے، بہترین ڈاکٹر اور انجینئر ہوسکتا ہے یا کسی اور علم وفن میں غیر معمولی مہارت کا حامل ہوسکتا ہے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود اگر وہ اچھا انسان نہیں ہے تو وہ معاشرے کے لیے کوئی حقیقی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ چنانچہ ''مصعب'' اپنے طلبہ کی اس طریقے سے تربیت کرتا ہے کہ ان کی زندگی کا اصل مقصد اچھا انسان بننا قرار پاتا ہے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کو ان کے شعور کا حصہ بنایا جاتا ہے اور اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ اپنے اندر حق پرستی، انصاف پسندی، ذمہ داری، خوش خلقی، رحم دلی، کریم النفسی اور اعلیٰ ظرفی جیسی صفات پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اساتذہ کے لیے لازم ہے کہ وہ ان اقدار کے حوالے سے طلبہ کے لیے ایک لائق تقلید نمونہ بنیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

تہذیبی روایات

ہماری تہذیب جو روایات تشکیل دیتی ہے، ان میں خاندان کی اہمیت، رشتوں کا تقدس، بزرگوں کا احترام، اساتذہ کی تکریم، مہمان نوازی، ایثار وقربانی اور عفت وعصمت کے مظاہر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ''مصعب'' کی تمنا ہے کہ یہ روایات ہماری نوجوان نسل میں اس قدر جاگزیں ہو جائیں کہ وہ تہذیب جدید کے سیلاب میں بہنے کے بجائے اس کے آگے دیوار بن جائیں اور امت مسلمہ کی تہذیبی اساسات کو منہدم ہونے سے بچانے کا کردار ادا کریں۔

قومی حمیت

طلبہ میں قومی اور ملی حمیت کے جذبات کو پروان چڑھانے کے لیے انھیں قومی مشاہیر سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ کلاسوں میں، اسمبلی کے موقع پر اور مختلف تقریبات میں تقریری، تحریری اور ذہنی آزمایش کے مقابلوں کے ذریعے سے طلبہ کو علامہ اقبال، قائد اعظم اور قومی سطح پر غیر معمولی اثرات رکھنے والی دیگر شخصیتوں کے حیات وافکار

اور خدمات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

ـــــ طریق کار ـــــ

تفہیم کا اسلوب

طلبہ کو اسباق یاد کرانے کے بجائے ان کی تفہیم کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ انھیں اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ذہنوں کو پوری طرح بیدار رکھ کر اسباق تیار کریں اور اس ضمن میں جو سوال بھی پیدا ہو، اسے بلا جھجک استاد کے سامنے پیش کریں۔ مزید براں انھیں اس بات پر بھی ابھارا جاتا ہے کہ وہ جماعت کے مباحث میں اپنے فہم اور اپنی رائے کا بھرپور اظہار کریں۔

تحقیق کا ذوق

طلبہ کے اندر اس بات کا ذوق پیدا کیا جاتا ہے کہ انھیں کسی علمی و فکری بات کو محض اس بنا پر قبول نہیں کر لینا چاہیے کہ وہ زبان زد عام ہے اور محض اس بنا پر رد نہیں کر دینا چاہیے کہ وہ اجنبی ہے۔ تحقیق اور جانچ پرکھ کے بعد ہی اس کے رد و قبول کا فیصلہ کرنا چاہیے اور اس ضمن میں اپنے اساتذہ سے ہر ممکن مدد حاصل کرنی چاہیے۔ مزید براں انھیں اس کی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ تحقیقی ذوق کو بڑھانے کے لیے لائبریریوں کی رکنیت اختیار کریں اور گاہے گاہے مختلف علمی، ادبی، اور تنقیدی مجالس میں شریک ہوتے رہیں۔ طلبہ کو اس کی مشق بھی کرائی جاتی ہے کہ وہ میسر مواد کی بنیاد پر از خود نتائج اخذ کرنے کی کوشش کریں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

طلبہ پر انفرادی توجہ

''مصعب'' کے اساتذہ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہر بچے کو انفرادی طور پر توجہ دیں۔ اگر بچہ کسی مضمون میں کم زور ہو تو یہ استاد کی ذمہ داری میں شامل ہے کہ وہ اس کے لیے اضافی وقت مختص کر کے اس کی کم زوری کو دور کرنے میں مدد کرے۔

صلاحیتوں کی نشوونما

بچے خداداد صلاحیتیں لے کر دنیا میں آتے ہیں۔ ایک اچھے تعلیمی نظام کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ ان کی صلاحیتوں کو

دریافت کرے، ان کے اندران کا شعور پیدا کرے اور ایسا ماحول فراہم کرے جس میں یہ صلاحیتیں پختہ بنیادیں قائم کر لیں، اور جب وہ عملی زندگی میں داخل ہوں تو علم و ادب، صنعت و حرفت، نظم و نسق، تعلیم و تدریس، طب و جراحت، فنون لطیفہ اور سائنس اور ٹیکنالوجی جیسے میدانوں میں انھیں بھرپور طریقے سے بروے کار لا سکیں۔ ''مصعب'' میں یہ ماحول فراہم کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔

اساتذہ کی تربیت

''مصعب'' کے اساتذہ کی تربیت پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ نصاب تعلیم اور طریق تدریس کے حوالے سے مختلف شارٹ کورسز اور ورکشاپس میں ان کی شرکت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اخلاقی اور دینی تربیت کے لیے اہل علم و دانش کے ساتھ ان کی نشستیں منعقد کی جاتی ہیں۔ اساتذہ کو اس بات پر مامور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے حاصلات کو طلبہ تک منتقل کرتے رہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ہم نصابی سرگرمیاں

''مصعب'' میں طلبہ کی ہم نصابی سرگرمیوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ سرگرمیاں ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں خاص کردار ادا کرتی ہیں۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً تقریری اور تحریری مقابلوں، مباحثوں، ادبی نشستوں، ذہنی آزمایش کے پروگراموں اور فن فیئر وغیرہ کا انعقاد ہوتا رہتا ہے۔

کھیل

کھیل اور ورزش بچوں کی جسمانی نشو و نما میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ''مصعب'' میں اس مقصد کے لیے باقاعدہ اوقات مقرر ہیں۔ ان میں مشاق انسٹرکٹر مختلف کھیلوں اور ورزشوں کے بارے میں بچوں کو عملی تربیت دیتے ہیں۔

تعلیمی سال

''مصعب'' میں تعلیمی سال کا آغاز ماہ ستمبر سے ہوتا ہے اور سالانہ امتحانات مئی میں ہوتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ تین ماہ کی چھٹیاں نصاب کے تسلسل کو معطل نہیں کرتیں۔ تاہم، گرمیوں کی چھٹیوں میں بچوں کو

نصاب سے متعلق رکھنے کے لیے اسائنمنٹس دی جاتی ہیں۔

امتحانات

طلبہ کو نصاب سے پوری طرح متعلق رکھنے اور ان کی تعلیمی ترقی کی رفتار کو جانچنے کے لیے ماہانہ امتحانات کا ایک پورا نظام وضع کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں طلبہ اور اساتذہ پورا سال نہایت یکسوئی کے ساتھ نصاب سے منسلک رہتے ہیں۔ اس ماہانہ اعادے سے اسباق بچوں کے ذہنوں میں مستقل طور پر راسخ ہو جاتے ہیں اور وہ سالانہ امتحان سے بھی کسی بوجھ کے بغیر بآسانی گزر جاتے ہیں۔

او لیول اور اے لیول

آخری کلاسوں کے لیے میٹرک کے بجائے او لیول اور اے لیول کا نظام اختیار کیا گیا ہے۔ یہ نظام دنیا بھر میں تسلیم شدہ ہے۔ اس کے امتحانات آکسفورڈ یونیورسٹی کے زیر اہتمام ہوتے ہیں۔ ''مصعب'' کے لیے یہ باعث افتخار ہے کہ او لیول کے ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۵ء کے امتحان میں اس کے پہلے اور دوسرے بیچ کا نتیجہ سو فی صد رہا ہے۔

بچوں کے والدین سے رابطہ

ہر سہ ماہی کے اختتام پر بچوں کے والدین ایک مقررہ دن اسکول میں آکر اساتذہ سے ملاقات کرتے ہیں۔ ہر مضمون کے ٹیچر سے فرداً فرداً ملاقات کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس موقع پر انھیں بچے کی گزشتہ کارکردگی سے آگاہ کیا جاتا ہے اور گھر پر تعلیمی سرگرمیوں کے حوالے سے تجاویز دی جاتی ہیں۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(۲۸)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا، يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ، وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ، اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا، وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

اور تمھارے لیے، (اے پیغمبر) یہ لوگ کسی غم کا باعث نہ ہوں جو (اِس وقت) کفر کی راہ میں بڑے سرگرم ہیں۔ یہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں اِن کا کوئی حصہ نہ رکھے۔ (یہ مجرم ہیں) اور اِن کے لیے (وہاں) بڑا ہی سخت عذاب ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایمان کو چھوڑ کر جن لوگوں نے بھی اپنے لیے کفر خریدا ہے، وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اُن کے لیے (اُس نے) بڑا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہ ڈھیل جو ہم اِن کو دے رہے ہیں، اِس کو یہ منکر اپنے حق میں کوئی بہتری کی چیز نہ سمجھیں۔ (اِنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) اِن کو یہ ڈھیل ہم صرف اِس لیے دے رہے ہیں کہ اپنے گناہوں میں یہ کچھ اور اضافہ کر لیں۔ (اِس کے بعد اِنھیں ہمارے ہی پاس آنا ہے) اور

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ، حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ
الطَّيِّبِ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ، فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ، وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ، بَلْ هُوَ
شَرٌّ لَّهُمْ، سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا: اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ

(وہاں) ایک سخت ذلیل کر دینے والی سزا اِن کی منتظر ہے۔۱۷۶-۱۷۸

(اِس جنگ کے موقع پر جو آزمایش پیش آئی ہے، یہ اِس کو سمجھ نہیں رہے۔ اِنھیں بتاؤ کہ) اللہ یہ نہیں کر سکتا تھا کہ پاک کو ناپاک سے الگ کیے بغیر مسلمانوں کو اُسی طرح چھوڑ دے، جس طرح تم تھے،[۲۵۵] اور نہ یہ اللہ کا طریقہ ہے کہ تمھیں غیب پر مطلع کر دے (اور اِن کے دلوں کی حالت جان کر تم اِنھیں الگ الگ کر لو)، بلکہ اللہ (کا طریقہ یہ ہے کہ اِس کے لیے وہ) اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، منتخب کر لیتا ہے، (پھر اُن کی جدوجہد میں ایسی آزمایش برپا کرتا ہے کہ کھوٹے اور کھرے، سب ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں)۔ اِس لیے اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھو اور (جان لو کہ) اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمھارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔۱۷۹

اور (اِن میں سے) جو لوگ اُن چیزوں میں بخل کرتے ہیں جو اللہ ہی نے اپنے فضل سے اُنھیں عطا فرمائی ہیں، وہ یہ خیال نہ کریں کہ یہ اُن کے لیے بہتر ہے۔ نہیں، یہ اُن کے حق میں بہت برا ہے۔ (اُنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جس چیز پر اُنھوں نے بخل کیا ہے، قیامت کے دن اُس کا طوق اُنھیں پہنایا جائے گا اور (معلوم ہونا چاہیے کہ) زمین و آسمان کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ

---

[۲۵۵] اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اتمام حجت کے بعد جزا و سزا کا جو فیصلہ ان کے لیے اسی دنیا میں صادر ہونے والا تھا، وہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس طرح کے کسی فیصلے کے لیے انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ پہلے لوگوں کو ایمان و عمل کے لحاظ سے الگ الگ کر دیا جائے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

وَّ نَحۡنُ اَغۡنِیَآءُ، سَنَکۡتُبُ مَا قَالُوۡا، وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡبِیَآءَ بِغَیۡرِ حَقٍّ، وَّ نَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا
عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ، وَاَنَّ اللّٰهَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ﴿۱۸۲﴾

اُسے جانتا ہے۔[۲۵۶] اللہ نے اُن لوگوں کی بات سن لی ہے جنھوں نے کہا ہے کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔[۲۵۷] اِن کی یہ باتیں ہم لکھ رکھیں گے[۲۵۸] اور اِس سے پہلے جو پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں، (وہ بھی ہم نے لکھ رکھا ہے) اور (فیصلے کے دن) اِن سے کہیں گے کہ اب چکھو آگ کا عذاب۔ یہ تمھارے اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ ۱۸۰-۱۸۲

---

[۲۵۶] یہ اس لیے فرمایا ہے کہ منافقین جس طرح جان دینے سے جی چراتے تھے، اسی طرح مال کے معاملے میں بھی چور تھے اور اسے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے تھے۔

[۲۵۷] یہ منافقین کے اس استہزا کا ذکر ہے جو وہ قرآن کی دعوت انفاق کا کرتے تھے۔ قرآن جب یہ کہتا کہ کون ہے جو اللہ کو قرض دے تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ جی ہاں، اللہ ان دنوں بہت غریب ہو گئے ہیں، اس لیے وہ ہم امیروں سے قرض مانگ رہے ہیں۔

[۲۵۸] اصل الفاظ ہیں: 'سنکتب ما قالوا' یہ تہدید نہایت بلیغ ہے۔ استاذ امام نے اس کی بلاغت اس طرح واضح فرمائی ہے:

"...فن بلاغت کے اداشناس اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان دو لفظوں کے اندر جو قہر و غضب چھپا ہوا ہے، اس کی تعبیر ہم عاجزوں کے قلم سے صفحوں میں بھی ممکن نہیں ہے۔ پھر اس سے زیادہ بلیغ بات یہ ہے کہ اسی پر عطف کر دیا ہے 'و قتلهم الانبیاء بغیر حق' کو، یعنی ان کے ناحق قتل انبیا کو بھی ہم نے لکھ رکھا ہے۔ یہ قتل انبیا کا جرم، ظاہر ہے کہ یہود کا ہے۔ منافقین کے ایک قول اور یہود کے ایک فعل کو ایک ہی زمرے میں اس طرح شمار کرنا اور دونوں کے لیے ضمیر بھی ایک ہی استعمال کرنا یہاں دو باتوں پر دلیل ہے: ایک تو اس بات پر کہ یہ سنگین بات کہہ کر یہ منافقین یہود کی اسی برادری میں پھر جا شامل ہوئے ہیں جس سے نکل کر انھوں نے اسلام میں داخل ہونے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ دوسری یہ کہ منافقین کا یہ استہزا اور یہود کا یہ عمل، دونوں ایسے سنگین جرائم ہیں کہ خدا ان کو بھولنے والا نہیں ہے، بلکہ وہ بھی ایک دن ان سے کہے گا کہ 'ذوقوا عذاب الحریق'، خدا کا یہ عذاب چکھو اور یہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا، ان کے اعمال ہی کا ثمرہ و نتیجہ ہوگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر کسی قسم کا ظلم کرنے والا نہیں ہے۔"

(تدبر قرآن ۲/۲۱۹)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا: اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ
تَاْكُلُهُ النَّارُ، قُلْ: قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ، وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ، فَلِمَ
قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ
قَبْلِكَ، جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ،
وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ، وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ
فَقَدْ فَازَ، وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

یہ لوگ، جنھوں نے کہا ہے کہ اللہ نے ہمیں یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ ہم کسی رسول کی بات اُس وقت تک نہ مانیں گے، جب تک وہ ایسی قربانی نہ کرے جسے کھانے کے لیے آسمان سے آگ اترے۔ اِن سے کہو: تمھارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول نہایت واضح نشانیاں لے کر آ چکے ہیں اور وہ نشانی بھی لائے ہیں جس کے لیے تم کہہ رہے ہو، پھر تم نے اُن کو قتل کیوں کر دیا، اگر تم سچے ہو؟[۲۵۹] اِس لیے، اے پیغمبر یہ تمھیں جھٹلاتے ہیں (تو اِس میں تعجب کی کیا بات ہے)، بہت سے رسول تم سے پہلے بھی (اِسی طرح) جھٹلائے گئے ہیں جو کھلی ہوئی نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔[۲۶۰] (تم مطمئن رہو اور یہ بھی انتظار کریں)، ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے اور تمھیں پورا پورا اجر تو قیامت کے دن ہی ملے گا۔ پھر جو دوزخ سے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے، وہی کامیاب ہے اور یہ دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے۔۱۸۳-۱۸۵

---

[۲۵۹] اس سے پہلے منافقین کے ذکر سے بات یہود کے ذکر تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے یہ ان کی ایک شرارت کا حوالہ دے کر اس کی بھی تردید فرما دی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''یہود کی جس شرارت کا حوالہ دیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو چپ کرانے کے لیے یہ کہتے کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت ہے کہ ہم کسی شخص کے دعویٔ رسالت کی اس وقت تک تصدیق ہی نہ کریں، جب تک اس سے یہ معجزہ نہ صادر ہو کہ وہ ایسی قربانی پیش کرے جس کو کھانے کے لیے قبولیت کے نشان کے طور پر آسمان سے آگ اترے۔ یہ بات یہود محض شرارت کی وجہ سے کہتے تھے۔ تورات میں بعض انبیا سے اس معجزے کا صادر ہونا

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ، وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِكُمْ، وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا، وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ
عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ،

(ایمان والو)، تمھارے جان و مال میں تمھاری آزمایش تو ہر حال میں ہونی ہے اور اپنے سے پہلے کے اہل کتاب کی طرف سے اور اُن لوگوں کی طرف سے جنھوں نے شرک کیا ہے، تمھیں بہت سی تکلیف دہ باتیں بھی سننا پڑیں گی۔[٢٦١] (اِس لیے تیار رہو) اور (یاد رکھو کہ) اگر تم ثابت قدم رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیے رکھا تو یہ بڑی عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور اُن لوگوں کو جنھیں کتاب دی گئی، اُن کا وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے اُن سے لیا تھا کہ تم لوگوں کے سامنے اِس کتاب کو لازماً بیان کرو گے

مذکور ہے مثلاً سلاطین ١٨: ٣٧-٣٨ میں ایلیا نبی کے متعلق اور تواریخ ٧: ١ میں حضرت سلیمان کے متعلق، لیکن یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ یہ معجزہ لوازم و شرائط نبوت میں سے ہے۔ جب تک کوئی نبی یہ معجزہ نہ دکھائے، اس کا دعویٰ نبوت ہی قابل غور نہیں، بالخصوص آخری نبی سے متعلق تو ان کے ہاں جو پیشین گوئیاں ہیں، وہ اس قسم کے تکلفات سے بالکل ہی خالی ہیں۔'' (تدبر قرآن ٢/ ٢٢٠)

[٢٦٠] اصل میں یہاں تین لفظ استعمال ہوئے ہیں: بینات، زبر اور کتاب منیر۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے ان کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

''' بینات' کے معنی واضح اور روشن کے ہیں۔ یہ لفظ آیات کی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں یہ لفظ تنہا بغیر موصوف کے استعمال ہوا ہے، دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ واضح اور مسکت دلائل کے معنی میں یا حسی معجزات کے معنی میں۔

' زبر' زبور کی جمع ہے۔ اس کے معنی ٹکڑے، قطعے اور صحیفے کے ہیں۔ مزامیر داؤد کے لیے اس کا استعمال معروف ہے۔ یہاں اس سے مراد انبیا کے وہ صحائف ہیں جو تورات کے مجموعہ میں شامل ہیں۔

' کتاب منیر' سے مراد تورات ہے۔ قرآن سے پہلے کی نازل شدہ چیزوں میں سے تورات ہی ہے جو اس لفظ کا اصلی مصداق ہوسکتی ہے۔'' (تدبر قرآن ٢/ ٢٢١)

[٢٦١] یہ ان آزمایشوں کی طرف اشارہ ہے جو پیغمبر کے ساتھیوں کو اس کے منکرین کی طرف سے ان کی تطہیر کے لیے لازماً پیش آتی ہیں تاکہ عذاب سے پہلے وہ ان سے الگ بالکل نمایاں ہو جائیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ، فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ، وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا، فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا، وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا، فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور اِسے ہرگز نہ چھپاؤ گے۔ پھر اُنھوں نے اِسے پس پشت ڈال دیا[۲۶۲] اور تھوڑی قیمت کے بدلے میں اِسے بیچ ڈالا۔ سو کیا ہی بری ہے وہ چیز جسے یہ خرید لائے ہیں۔ تم اُن لوگوں کو عذاب سے بری نہ سمجھو جو اپنے اِن کرتوتوں پر مگن ہیں اور ایسے کاموں پر اپنی تعریف چاہتے ہیں جو اُنھوں نے کیے نہیں ہیں[۲۶۳]، اور (جان رکھو کہ) اُن کے لیے ایک دردناک سزا تیار ہے اور (وہ اِس سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے، اِس لیے کہ) زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ۱۸۶-۱۸۹

---

[۲۶۲] یعنی اس طرح کی باتیں تو انھیں یاد ہیں کہ بعض پیغمبروں نے ایسی قربانی کی تھی جسے آگ نے آسمان سے اتر کر کھا لیا تھا، مگر اللہ نے اپنی کتاب ان کے سپرد کرتے وقت جو عہد ان سے لیا تھا، وہ انھیں یاد نہیں رہا۔ انھیں یاد دلاؤ کہ ان کا یہ عہد اب بھی ان کی کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے۔ چنانچہ استثنا میں ہے:

''اس لیے میری ان باتوں کو تم اپنے دل اور اپنی جان میں محفوظ رکھنا اور نشان کے طور پر ان کو اپنے ہاتھوں پر باندھنا اور وہ تمھاری پیشانی پر ٹیکوں کی مانند ہوں۔ اور تم ان کو اپنے لڑکوں کو سکھانا اور تو گھر بیٹھے اور راہ چلتے اور لیٹتے اور اٹھتے وقت ان ہی کا ذکر کیا کرنا۔ اور تو ان کو اپنے گھر کی چوکھٹوں پر اور اپنے پھاٹکوں پر لکھا کرنا۔'' (۱۱: ۱۸-۲۰)

اسی طرح انجیلوں میں بھی یہ نہایت موثر اسلوبوں میں بیان ہوا ہے۔ متی میں ہے:

''جو کچھ میں تم سے اندھیرے میں کہتا ہوں، اجالے میں کہو اور جو کچھ تم کان میں سنتے ہو، کوٹھوں پر اس کی منادی کرو۔'' (۱۰: ۲۷)

[۲۶۳] یعنی اللہ کے عہد کو اپنے دنیوی اغراض کے لیے حقیر داموں بیچ دینے کے باوجود جن کی خواہش ہے کہ انھیں حامل کتاب سمجھا جائے، انھیں خدا کی برگزیدہ امت قرار دیا جائے اور دنیا اور آخرت، دونوں میں خدا کی تمام عنایتوں اور تمام لطف و کرم کا تنہا حق دار مانا جائے۔

[باقی]

معز امجد

عورت کے لباس کے بارے میں ایک روایت

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

روایت کا مضمون

ابو داؤد، رقم ۴۱۰۴ کے مطابق بیان کیا جاتا ہے کہ

روی أن أسماء بنت أبی بکر دخلت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وعلیها ثیاب رقاق فأعرض عنها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وقال یا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحیض لم تصلح أن یری منها إلا هذا وهذا وأشار إلی وجهه وکفیه.

''روایت ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باریک کپڑے کا لباس پہنے ہوئے حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مونہہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے جسم کے ان حصوں کے علاوہ کوئی حصہ نظر آئے۔ یہ بات فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا۔''

یہ واقعہ درج ذیل مقامات پر بھی روایت ہوا ہے:

بیہقی، رقم ۳۰۳۴، ۱۳۲۷۴، ۱۳۲۷۵۔ المعجم الاوسط، رقم ۸۳۹۴۔ المعجم الکبیر ۱۴۲/۲۴۔ المسند الشامیین، رقم ۲۷۳۹۔

روایت پر تبصرہ

اس واقعے کی سات روایتوں میں سے ابوداؤد، رقم ۴۱۰۴؛ بیہقی، رقم ۳۰۳۴، ۱۳۲۷۴؛ اور مسند الشامیین، رقم ۲۷۳۹ کو سعید بن بشیر نے روایت کیا ہے جس کے بارے میں اہل علم کی رائے یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے[1]۔ اس کے علاوہ ان روایتوں کی سند بھی متصل نہیں ہے، کیونکہ انھیں خالد بن دریک نے سیدہ عائشہ سے روایت کیا ہے، جبکہ اہل علم کی متفقہ رائے ہے کہ اس کی ملاقات سیدہ سے نہیں ہوئی۔ ابوداؤد میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے: 'قال أبو داؤد هذا مرسل خالد بن دريك لم يدرك عائشة' (ابوداؤد کا کہنا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ خالد بن دریک کی ملاقات عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوئی)۔

جہاں تک باقی روایات کا معاملہ ہے تو ان سب کو عیاض بن عبداللہ الفہری اور عبداللہ بن لہیعہ نے روایت کیا ہے۔ ان کے بارے میں اہل علم نے مثبت اور منفی، دونوں طرح کی آرا ظاہر کی ہیں[2]۔ منفی رائے رکھنے والوں نے انھیں خصوصاً عبداللہ بن لہیعہ کو نقل روایت کے معاملے میں ناقابل اعتماد ٹھیرایا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

نتیجۂ بحث

اس واقعے کی مختلف سندوں میں سے کوئی بھی سند قابل اعتماد نہیں ہے، اس لیے ہم اعتماد کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس واقعے کی نسبت درست ہے۔

تخریج: محمد اسلم نجمی

کوکب شہزاد

ترجمہ و ترتیب: اظہار احمد

---

[1] سعید بن بشیر پر تبصرے کے لیے دیکھیے: الجرح والتعدیل ۴/ ۶۔ ضعفاء البخاری ۱/ ۴۹۔ کتاب الضعفاء (نسائی) ۱/ ۵۲۔ المجروحین ۱/ ۳۱۹۔

[2] عیاض بن عبداللہ الفہری پر تفصیلی تبصرے کے لیے دیکھیے: الضعفاء الکبیر ۳/ ۳۵۰۔ الجرح والتعدیل ۶/ ۴۰۹۔ تہذیب الکمال ۲۲/ ۵۶۹۔ تہذیب التہذیب ۸/ ۱۸۰۔ الکاشف ۲/ ۱۰۷۔

عبداللہ بن لہیعہ کے بارے میں تفصیلات دیکھیے: الضعفاء الکبیر ۲/ ۲۹۳۔ طبقات المدلسین ۱/ ۵۴۔ تہذیب الکمال ۱۵/ ۴۳۷۔ تہذیب التہذیب ۵/ ۳۲۷۔ الکاشف ۱/ ۵۹۰۔ المجروحین ۲/ ۱۔ ضعفاء البخاری ۱/ ۶۶۔ کتاب الضعفاء (نسائی) ۱/ ۶۴۔

طالب محسن

ایمان کا ذائقہ

(مسلم، رقم ۳۴)

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ذَاقَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا.

''حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اس شخص نے ایمان کا مزا پا لیا جو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے پر دل و جان سے راضی ہو گیا۔''

لغوی مباحث

ذاق: چکھا، کھا لیا۔ یہاں یہ مادی کے بجائے معنوی شے کے لیے آیا ہے اور اس سے نیل و ادراک مراد ہے۔ یعنی کسی چیز کو پا لینا اور اسے دل و دماغ کا حصہ بنا لینا۔

طعم: لذت مراد ہے۔ اسی معنی کے لیے ایک دوسری روایت میں 'حلاوۃ' (مٹھاس) کا لفظ آیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

رضی: لفظی مطلب ہے: راضی ہوا، خوش ہوا۔ یہاں اس سے دل کا انشراح، قناعت، مسرت اور سیری مراد ہے۔

معنی

اس روایت میں تین باتیں سمجھنے کی ہیں۔ پہلی اور نمایاں ترین چیز یہ ہے کہ دین بطور خاص ایمانیات کے ایک خاص پہلو کو ''ایمان کی لذت چکھنے'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسری چیز دین کے ساتھ وابستگی کے لیے ''راضی ہونا'' کے لفظ کا استعمال ہے۔ اور تیسری چیز یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے رب ہونے اور اپنے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے کے پہلو کو نمایاں کیا ہے۔

اصل میں یہ روایت دین کے ساتھ وابستگی کے نفسیاتی پہلو کو نمایاں کرتی ہے۔ کسی شے کو حاصل کرنے کے لیے اس کا ذائقہ چکھ لینے کی تعبیر بہت معنی خیز ہے۔ گویا ایک ایسی چیز ہے جس کو پا لینے کی تمنا موجود ہے۔ لیکن اس کو پا لینے کی حقیقت کیا ہے اس کا شعور واضح کرنا پیش نظر ہے۔ چکھ لینا کی تعبیر سے جیسا کہ ہم نے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے نیل و ادراک مراد ہے۔ لیکن یہ نیل و ادراک وہ ہے جو پانے والے کو ایک سرشاری اور اطمینان بھی فراہم کرتا ہے۔

راضی ہونا کی تعبیر بھی اپنے اندر یہی حقیقت رکھتی ہے۔ آدمی جس چیز پر راضی ہو جاتا ہے تو پھر وہ اسی کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ گویا اس نے اپنی تلاش کی منزل کو پا لیا ہے اور اب اسے کسی دوسری چیز کی حاجت نہیں رہی۔ خالق کائنات ہی اس کا رب ہے، اس کا آقا و مولا ہے اور اس کا پروردگار ہے یہ بات جب اس کے علم سے بڑھ کر اس کی زندگی بن جاتی ہے اور وہ سب کے در چھوڑ کر صرف ایک اللہ کے در سے وابستہ ہو جاتا ہے تو یہ اللہ کے رب ہونے پر راضی ہونا ہے۔ اسلام کی تعلیمات جب علم میں آتی ہیں اور حق کی تلاش اور جستجو مکمل ہو جاتی اور آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ اب اسے اپنی زندگی کے شب و روز گزارنے کے لیے کسی اور رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے تو یہ اسلام کے دین ہونے پر راضی ہونا ہے۔ جب تک کوئی آدمی اللہ کی رضا کے لیے قرآن و سنت ہی کو کافی نہ سمجھتا ہو، اسے خبر دار رہنا چاہیے کہ وہ حقیقت میں اسلام کے دین ہونے پر راضی نہیں ہے۔ یہی معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا ہے۔ وہ ہدایت و رہنمائی جس پر آخرت کی فلاح کا انحصار ہے صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی ہدایت و رہنمائی ہے۔ جب کسی شخص کی آنکھیں اس غرض کے لیے صرف انھی کی ذات والا صفات کی طرف اٹھیں تو یہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہونا ہے۔

وہ شخص جس نے توحید کے اقرار، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے لائے ہوئے دین میں دل کا اطمینان، باقی ادیان ونظریات سے مستغنی ہونے اور اسلام پر عمل کرنے میں رغبت کی کیفیات کا تجربہ کر لیا یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔

اس روایت میں جس نفسیاتی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے وہ بعینہٖ وہی بات ہے جس کے لیے قرآن مجید میں 'حسبنا اللّٰہ' اور 'رضوا عنه' وغیرہ کی تعبیرات اختیار کی گئی ہیں۔

متون

کتب حدیث میں یہ روایت جزوی فرق کے ساتھ انھی الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔ وہ فرق روایت کے آخری جملے میں ہے۔ مسلم نے 'رسولا' درج کیا ہے جب کہ زیادہ تر مرویات میں 'نبیا' کا لفظ آیا ہے۔ مضمون کی مناسبت 'نبیا' کے لفظ سے زیادہ ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

یہی مضمون دوسرے اسلوب میں بھی روایت ہوا ہے مثلاً مسلم ہی کی ایک روایت ہے:

ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الايمان من كان اللّٰه ورسوله احب اليه مما سواهما وان يحب المرء لا يحبه الا للّٰه وان يكره ان يعود في الكفر بعد ان انقذه اللّٰه منه كما يكره ان يقذف في النار. (رقم ۴۳)

''جس آدمی میں یہ تین خصلتیں ہوں وہ ان کے باعث ایمان کی حلاوت پا لیتا ہے۔ ایک وہ جسے اللہ اور اس کے رسول ان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ جب کسی آدمی سے محبت کرے تو اللہ ہی کے لیے کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ کفر میں لوٹ جانے کو جبکہ اللہ نے اسے اس سے نکال دیا ہے اسی طرح ناپسند کرے جس طرح وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔''

اسی طرح صاحب مرقاۃ نے دیلمی کی ''مسند الفردوس'' کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضور نے یہی بات بطور ذکر تعلیم کی ہے:

الظوا السنتكم قول لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه وان اللّٰه ربنا والاسلام ديننا ومحمد نبينا. فانكم

''اپنی زبان سے بار بار اس بات کو دہراؤ کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ اللہ ہمارا رب ہے، اسلام ہمارا دین ہے اور محمد ہمارے

www.javedahmadghamidi.com

تسألون عنها فی قبورکم. (مرقاۃ ۱/۷۶) نبی ہیں۔ کیونکہ تم سے تمھاری قبروں میں اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

کتابیات

مسلم، رقم ۳۴، ۴۳، ۱۸۸۴۔ ترمذی، رقم ۲۶۲۳۔ احمد، رقم ۱۷۷۸، ۱۷۷۹۔ ابن حبان، رقم ۱۶۹۴۔ ابویعلیٰ، رقم ۶۶۹۲۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

شرح موطا

ساجد حمید

زندہ جانور کے گوشت کی حرمت

عن[1] ابی واقد اللیثی قال: قدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینة وھم یحبون اسنمة الابل ویقطعون الیات الغنم. فسالوا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن ذلک[2]. فقال: ما قطع من البھیمة وھی حیة فھی میتة.

”ابوواقد لیثی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب (ہجرت کرکے) مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ (زندہ) اونٹ کے کوہان، اور دنبے کی چکتیاں کاٹ کر کھانا پسند کرتے تھے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں (دین کا حکم) پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا[1]: جو گوشت زندہ جانور سے کاٹا جائے، وہ مردار ہے[2]۔“

ترجمے کے حواشی

۱۔ یہ فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فقہی احکام میں سے ہے جو آپ نے قرآن کی آیات سے بطریق استنباط اخذ کیے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

۲۔قرآن مجید میں مردار کو حرام کیا گیا ہے (البقرہ۲: ۱۷۳) اور آیت صید کے الفاظ 'الا ما ذکیتم' سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہی جانور مردار نہیں ہے جسے تذکیہ کے مسنون طریقے پر ذبح کیا گیا ہو اور اس عمل کے دوران میں اس کی موت خون بہنے سے واقع ہوئی ہو۔ چنانچہ جس جانور کا گوشت تذکیہ سے پہلے ہی کاٹ لیا جائے تو وہ گوشت مردار ہے اور مردار ہونے کی بنا پر حرام ہے۔ استاد گرامی جاوید احمد صاحب غامدی لکھتے ہیں:

''الا ما ذکیتم' کے الفاظ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ صرف تذکیہ ہی ہے جس سے کسی جانور کی موت اگر واقع ہو تو وہ مردار نہیں ہوتا، تذکیہ انبیا علیہم السلام کی قائم کردہ سنت ہے اور بطور اصطلاح جس مفہوم کے لیے بولا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی تیز چیز سے جانور کو زخمی کر کے اس کا خون اس طرح بہا دیا جائے کہ اس کی موت خون بہ جانے ہی کے باعث واقع ہو۔ جانور کو مارنے کی یہی صورت ہے جس میں اس کا گوشت خون کی نجاست سے پوری طرح پاک ہو جاتا ہے۔'' (میزان ۳۱۳)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

متن کے حواشی

۱۔ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت سنن ترمذی، رقم ۱۴۸۰، اور سنن ابن ماجہ، رقم ۳۲۱۷ میں آئی ہے، ان مقامات کے علاوہ یہ روایت سنن ابی داؤد، رقم ۲۸۵۸، سنن ابن ماجہ، رقم ۳۲۱۶، سنن البیہقی الکبریٰ، رقم ۱۸۷۰۳،۱۸۷۰۹، مسند ابی یعلیٰ، رقم ۱۴۵۰، مسند احمد، رقم ۲۱۹۵۳، ۲۱۹۵۴، سنن الدارمی، رقم ۲۰۱۸، مصنف عبد الرزاق، رقم ۸۶۱۱، ۸۶۱۲ میں معمولی اختلافات کے ساتھ آئی ہے۔

سب طرق میں مدینہ آنے اور وہاں کوہان اور چکتیوں کے کھانے سے متعلق رواج کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ بات صرف ترمذی، رقم ۱۴۸۰، سنن البیہقی، رقم ۱۸۷۰۳،۱۸۷۰۹، مسند ابی یعلیٰ، رقم ۱۴۵۰، مسند احمد، رقم ۲۱۹۵۳، ۲۱۹۵۴، سنن الدارمی، رقم ۲۰۱۸ میں آئی ہے۔

مصنف عبد الرزاق، رقم ۸۶۱۱ میں 'قدم النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم المدینة ...' (نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے ...) کے بجائے 'قال کان اهل الجاهلية يقطعون ...' (دور جاہلیت میں لوگ زندہ جانوروں کی چکتیاں کاٹ کر کھایا کرتے تھے) کے الفاظ آئے ہیں۔

سنن ابن ماجہ، رقم ۳۲۱۷ میں یہ روایت ان الفاظ میں آئی ہے:

يكون في آخر الزمان قوم يحبون ''آخری زمانے میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو

اسنمة الابل و یقطعو ن اذناب الغنم الا فمـــا قـطـع مـن حـی فھـو میـت . | کوہان کے گوشت کو پسند کریں گے اور زندہ جانور کی چکتیوں کو کاٹیں گے۔ اس وقت کے لیے سن رکھو کہ زندہ جانور سے کاٹا ہوا گوشت مردار ہے۔‘‘

ناصر الدین البانی صاحب نے ابن ماجہ کے حواشی لکھتے ہوئے اس روایت کو حد سے زیادہ ضعیف قرار دیا ہے۔

۲۔ یہ جملہ مصنف عبدالرزاق، رقم ۸۶۱۱ سے لیا گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

جاوید احمد غامدی

ایمانیات

(۵)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ایمان کی حقیقت

ایمان ایک قدیم دینی اصطلاح ہے۔'امن' کا مادہ عبرانی زبان میں بھی موجود ہے اور صدق واعتماد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اسی سے 'امین' کا کلمہ ہے جس سے ہم کسی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔قرآن میں یہ تعبیر اسی مفہوم کے لیے آئی ہے۔ چنانچہ جب کسی چیز کو دل کے پورے یقین کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے تو اسے ایمان کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل خدا پر ایمان ہے۔ انسان اگر اپنے پروردگار کو اس طرح مان لے کہ تسلیم ورضا کے بالکل آخری درجے میں اپنے دل ودماغ کو اس کے حوالے کر دے تو قرآن کی اصطلاح میں وہ مومن ہے۔امام حمید الدین فراہی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

> ''... پس وہ یقین جو خشیت، توکل اور اعتقاد کے تمام لوازم وشرائط کے ساتھ پایا جائے، ایمان ہے۔اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر، اس کی آیات پر، اس کے احکام پر ایمان لائے ، اپنا سب کچھ اس کو سونپ دے، اس کے فیصلوں پر راضی ہو جائے، وہ مومن ہے۔'' (تفسیر سورۃ والعصر ۳۱)

ایمان کی یہی حقیقت ہے جس کی بنا پر قرآن تقاضا کرتا ہے کہ دل کی تصدیق کے ساتھ انسان کے قول وعمل کو بھی اس پر گواہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہر نیکی کو وہ ایمان کا خاصہ اور ایمان والوں کا لازمی وصف بتاتا ہے۔جن روایتوں میں

اس طرح کی چیزیں بیان ہوئی ہیں کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں[۲۲]، اور ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں، جن میں سے ایک شرم و حیا بھی ہے[۲۳] اور جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ ہم سایے سے حسن سلوک کرے، مہمان کی عزت کرے اور بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے[۲۴]، وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ قرآن مجید میں ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر ایک طرح کی وضاحت کے طور پر آتا ہے اور اس کی نوعیت بالکل وہی ہے جو عام پر خاص کے عطف کی ہوتی ہے۔ امام فراہی لکھتے ہیں:

> ”...ایمان کا محل دل اور عقل ہے اور عقل و دل کے معاملات میں انسان نہ صرف دوسروں کو دھوکا دے سکتا ہے، بلکہ بسا اوقات خود بھی دھوکے میں رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ مومن ہے، حالاں کہ وہ مومن نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے ایمان کے دو شاہد قرار دیے گئے: ایک قول، دوسرے عمل۔ اور چونکہ قول بھی جھوٹ ہو سکتا ہے، اس وجہ سے صرف زبان سے اقرار کرنے والا مومن نہیں قرار دیا گیا، بلکہ ضروری ہوا کہ آدمی کا عمل اس کے ایمان کی تصدیق کرے۔“ (تفسیر سورۃ والعصر ۳۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ، وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا، وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ، الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ، اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا، لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ. (الانفال ۸: ۲-۴)

”ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل لرز جائیں اور جب اس کی آیتیں انھیں پڑھ کر سنائی جائیں تو اُن کا ایمان بڑھ جائے اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا رکھیں، جو نماز کا اہتمام کریں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا فرمایا ہے، اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کریں۔ یہی سچے مومن ہیں۔ ان کے پروردگار کے پاس ان کے لیے درجے ہیں اور مغفرت ہے اور بڑی عزت کی روزی ہے۔“

اسی طرح فرمایا ہے:

۲۲؎ بخاری، رقم ۱۰۔ مسلم، رقم ۱۴۱۔

۲۳؎ بخاری، رقم ۹۔ مسلم، رقم ۳۵۔

۲۴؎ بخاری، رقم ۶۰۱۹۔ مسلم، رقم ۴۸۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا، وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. (الحجرات ۴۹: ۱۵)

''ایمان والے تو وہی ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو مانا، پھر کسی ریب و گمان میں مبتلا نہیں ہوئے اور اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ (اپنے ایمان میں) سچے ہیں۔''

اس میں شبہ نہیں کہ قانون کی نگاہ میں ہر وہ شخص مومن ہے جو زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہے۔ اس کا یہ ایمان کم یا زیادہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن جہاں تک حقیقی ایمان کا تعلق ہے، وہ ہرگز کوئی جامد چیز نہیں ہے۔ اوپر انفال کی جو آیات ہم نے نقل کی ہیں، ان سے واضح ہے کہ اللہ کے ذکر اور اس کی آیتوں کی تلاوت اور انفس و آفاق میں ان کے ظہور سے اس میں افزونی ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے اسے ایک ایسے درخت سے تشبیہ دی ہے جس کی جڑیں زمین کے اعماق میں اتری ہوئی اور شاخیں آسمان کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہوں:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا، كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ، اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ، تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا، وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ، لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ. (ابراہیم ۱۴: ۲۴-۲۵)

''کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ کی مثال کس طرح بیان فرمائی ہے؟ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک شجرۂ طیبہ جس کی جڑیں زمین میں اتری ہوئی اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر موسم میں وہ اپنا پھل اپنے پروردگار کے حکم سے دے رہا ہے۔ (یہ اس کی تمثیل ہے) اور اللہ یہ تمثیلیں لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔''

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس ارشاد خداوندی کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

''آیات میں کلمۂ طیبہ سے مراد، ظاہر ہے کہ کلمۂ ایمان ہے۔ اس کی تمثیل اللہ تعالیٰ نے ایسے ثمر بار درخت سے دی ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری اتری ہوئی اور اس کی شاخیں فضا میں خوب پھیلی ہوئی ہوں اور وہ برابر ہر موسم میں اپنے رب کے فضل سے ثمر باری کر رہا ہو۔ زمین میں جڑوں کے گہرے اترنے سے مقصود فطرت انسانی کے اندر اس کا رسوخ و استحکام ہے کہ وہ گھورے پر اگے ہوئے پودے کی مانند نہیں ہے جس کی کوئی جڑ نہ ہو، حوادث کا کوئی معمولی سا جھونکا بھی اس کو اکھاڑ پھینکے، جیسا کہ کلمۂ کفر کی بابت فرمایا ہے کہ 'اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ، مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ'[۲۵] (جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے، اسے ذرا بھی ثبات حاصل نہ ہو)۔ بلکہ وہ ایک تناور درخت کے مانند اتنی پائدار اور گہری جڑیں رکھتا ہے کہ اگر اس پر سے طوفان بھی گزر جائیں، جب بھی وہ ذرا متاثر نہ ہو۔ پھر

۲۵؎ ابراہیم ۱۴: ۲۶۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اس کی فیض بخشی اور ثمر باری کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ ٹھونٹھ درخت کے مانند نہیں ہے، جس سے نہ کسی کو سایہ حاصل ہو نہ پھل، بلکہ اس کی فضا میں پھیلی ہوئی سایہ دار شاخوں کے سایے میں قافلے آرام کرتے اور ہر موسم میں اس کے پھلوں سے غذا اور آسودگی حاصل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اشارہ ان فیوض و برکات کی طرف ہے جو ایک صاحب ایمان کے ایمان سے خود اس کی زندگی اور اس کے توسط سے ان لوگوں کی زندگیوں پر مترتب ہوتے ہیں جو اس سے کسی نوعیت سے قرب کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ یہ فیوض و برکات لازماً علمی اور عملی، دونوں ہی قسم کے ہوتے ہیں جو اس کے ایمان کی شہادت دیتے ہیں اور ان سے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف رفعت و سرفرازی حاصل ہوتی ہے۔''

(تزکیۂ نفس ۳۲۵)

یہی معاملہ ایمان میں کمی کا ہے انسان اگر اپنے ایمان کو علم نافع اور عمل صالح سے برابر بڑھاتے رہنے کے بجائے اس کے تقاضوں کے خلاف عمل کرنا شروع کر دے تو یہ کم بھی ہوتا ہے، بلکہ بعض حالات میں بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ 'هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ'[26] (اس دن وہ ایمان سے زیادہ کفر کے قریب تھے) اور اس طرح کی دوسری آیات سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ قرآن نے صراحت فرمائی ہے کہ جو لوگ گناہ ہی کو اوڑھنا اور بچھونا بنا لیتے اور وہ ان کی زندگی کا احاطہ کر لیتا ہے یا اس حد تک سرکش ہو جاتے ہیں کہ حدود الٰہی کو جانتے بوجھتے پامال کرتے ہیں یا کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیتے ہیں، ان کے ایمان کا اعتبار نہ ہوگا اور وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیے جائیں گے،[27] الا یہ کہ اللہ ہی اپنی حکمت کے مطابق کسی کے لیے عفو و درگزر کا فیصلہ کرے۔[28] چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ پیغمبر کی اطاعت سے انحراف کے بعد ایمان کا کوئی دعویٰ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ، لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ، وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (النساء ۴: ۶۵)

''پس نہیں، تیرے پروردگار کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے، جب تک اپنے اختلافات میں یہ تمھیں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ تم کر دو، اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بہ سر تسلیم کر لیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات بھی اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں۔ فرمایا ہے:

۲۶؎ آل عمران ۳: ۱۶۷۔

۲۷؎ البقرہ ۲: ۸۱۔ النساء ۴: ۱۴، ۹۳۔

۲۸؎ النساء ۴: ۴۸۔

زانی جب زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا اور شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔[۲۹]

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کے بیٹے، اس کے باپ اور دوسرے سب لوگوں سے اس کو زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔[۳۰]

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔[۳۱]

آدمی (اپنے دائرۂ اختیار میں) برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹا دے، اس کی ہمت نہ ہو تو زبان سے روکنے کی کوشش کرے، یہ بھی نہ کر سکے تو دل میں برا سمجھے، لیکن اس کے بعد پھر ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔[۳۲]

جس نے دھوکا دیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[۳۳] جس نے گال پیٹے یا گریبان پھاڑا یا جاہلیت کی آواز بلند کی، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[۳۴]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اس سے واضح ہے کہ ایمان اور عمل لازم وملزوم ہیں۔ لہٰذا جس طرح ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے، اسی طرح عمل کے ساتھ ایمان بھی ضروری ہے۔ نجات کے لیے قرآن نے ہر جگہ اسے شرط اولین قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اگر جانتے بوجھتے اپنے پروردگار کو اور اس کی آیتوں کو ماننے سے انکار کر دے یا اس پر افترا کرے اور کسی کو اس کا شریک ٹھیرا دے تو یہ استکبار ہے اور استکبار کے بارے میں قرآن نے صاف کہہ دیا ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوسکتا ہے، لیکن کوئی مستکبر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا، لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ، وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ

''یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے اور اُن سے متکبرانہ منہ موڑ لیا ہے، اُن کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور

۲۹؎ بخاری، رقم ۵۵۷۸۔ مسلم، رقم ۵۷۔

۳۰؎ بخاری، رقم ۱۵۔ مسلم، رقم ۴۴۔

۳۱؎ بخاری، رقم ۱۳۔ مسلم، رقم ۴۵۔

۳۲؎ مسلم، رقم ۴۹، ۵۰۔

۳۳؎ مسلم، رقم ۱۰۱، ۱۰۲۔

۳۴؎ بخاری، رقم ۱۲۹۷۔ مسلم، رقم ۱۰۳۔

سَمِّ الْخِيَاطِ، وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ، لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ، وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ، وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ. (الاعراف ۷: ۴۰-۴۱)

نہ وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے۔ ہاں، اس صورت میں کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ (یہ اُن کی سزا ہے) اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ اُن کے لیے دوزخ ہی کا بچھونا اور اسی کا اوڑھنا ہوگا۔ اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔''

چنانچہ فرمایا ہے کہ ایمان سے محرومی کے بعد ہر عمل بے بنیاد ہے۔ اس کی مثال پھر اس راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانی دن کی آندھی نے اڑا کر بالکل صاف کر دیا ہو۔ قیامت کے دن اس کا ایک ذرہ بھی ان کے پاس اس لائق نہ رہے گا کہ اسے خدا کے حضور پیش کر سکیں۔ ان کی ساری کمائی وہاں خاک ہو جائے گی، صرف اس کا وبال باقی رہے گا:

مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ، اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ، لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ، ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ. (ابراہیم ۱۴: ۱۸)

''جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے، اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ ہو جس پر آندھی کے دن تند و تیز ہوا چل جائے۔ اُن کی کمائی میں سے کچھ بھی اُن کے ہاتھ نہ آئے گا۔ یہی دور کی گمراہی ہے۔''

سورۂ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال کسی چٹیل صحرا کے سراب سے دی گئی ہے جس کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں ہوتی۔ پیاسا پانی سمجھ کر اس کی طرف لپکتا ہے، مگر جب اس کے قریب پہنچتا ہے تو راز کھلتا ہے کہ جس چیز کو وہ لہریں لیتا ہوا دریا سمجھ رہا تھا، وہ درحقیقت چمکتی ہوئی ریت تھی:

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا، اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِیْعَةٍ، یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا، وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ، فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ، وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ. (النور ۲۴: ۳۹)

''اور جو منکر ہیں، اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشت بے آب میں سراب کہ پیاسے نے اسے پانی سمجھا (اور اس کی طرف دوڑا)، یہاں تک کہ اس کے پاس آیا تو کچھ نہ پایا، بلکہ خدا کو اس کے پاس موجود پایا، پھر اس نے اس کا حساب چکا دیا اور اللہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے۔''

[باقی]

پروفیسر خورشید عالم

چہرے کا پردہ اور ''حکمت قرآن''

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ماہنامہ ''اشراق'' نے ''چہرے کا پردہ'' کے عنوان سے اگست ۲۰۰۵ کے شمارہ میں میرا مضمون شائع کیا تھا۔ ''محدث'' نے اگست کے شمارہ میں صفحہ ۵۳ پر ضیاء اللہ برنی صاحب کا یہ قول شائع کیا تھا کہ ''اس کا شافی جواب بھی کسی صاحب علم کی توجہ کا منتظر ہے۔'' جس صاحب علم نے اس جواب کی طرف توجہ دی ہے وہ قرآن اکیڈمی کے شعبۂ ریسرچ کے ملازم حافظ محمد زبیر ہیں۔ یہ جواب ''حکمت قرآن'' کے دسمبر ۲۰۰۵ میں شائع ہونا شروع ہوا اور فروری ۲۰۰۶ تک اس کی تین قسطیں جاری ہو چکی ہیں۔

میرے مضمون کا عنوان تھا ''چہرے کا پردہ''۔اس میں میں نے صرف اس موضوع پر بحث کی ہے کہ چہرے کا پردہ واجب ہے یا غیر واجب۔ میں نے کہیں بھی اس کے بدعت یا مستحب ہونے کو موضوع بحث نہیں بنایا۔ حافظ محمد زبیر صاحب نے خواہ مخواہ اپنے جواب کو فقہی عنوان سے نوازا ہے یعنی چہرے کا پردہ واجب، مستحب یا بدعت۔ اگر وہ اس عنوان کے تحت اپنا مستقل مضمون لکھتے تو مجھے اعتراض کا حق نہ ہوتا۔ مگر انھوں نے اپنے مضمون کے آغاز ہی میں میرے مضمون کا حوالہ دیا ہے، اس لیے میں یہ محسوس کرنے میں حق بجانب ہوں کہ انھوں نے اس جواب کو فقہی عنوان دے کر خلط مبحث سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ اور خاص مکتب فکر سے تعلق کی بنا پر اپنے ذہن میں جمے ہوئے خیالات کو تحقیق کے بغیر جوں کا توں ''حکمت قرآن'' کے صفحات تک منتقل کر دیا ہے۔ اگر انھوں نے میرے مضمون کو

کھلے دل ودماغ سے پڑھنے کی کوشش کی ہوتی تو ان کو بہت سے اعتراضات کا جواب مضمون کے اندر ہی سے مل جاتا۔

ایک اور بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ علامہ ناصر الدین البانی کے بارے میں حافظ صاحب کی معلومات بہت ہی کمزور ہیں۔ان کی معلومات کا دارومدار ان کی کتاب ''حجاب المراۃ المسلمہ'' ہے جس کا آٹھواں ایڈیشن ۱۹۸۷ء میں بیروت سے چھپا۔ پھر انھوں نے اس کتاب کا نام ''جلباب المراۃ المسلمہ'' رکھا جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۴ء میں چھپا۔اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

''کانٹ چھانٹ کے بعد نیا ایڈیشن جس میں بہت سی ابحاث اور نادر فوائد ہیں جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ عورت کا چہرہ قابل پوشیدگی نہیں اور یہی جمہور صحابہ، ائمہ اور بڑے بڑے حنبلی فقہا کا مسلک ہے اور ان لوگوں کا منہ توڑ جواب جو اس بارے میں تشدد سے کام لیتے ہیں۔اسی کتاب میں انھوں نے اپنی مستقل تصنیف 'الرد المفحم علی من خالف العلماء و تشدد و تعصبت' (ان علما کا منہ توڑ جواب جنھوں نے (چہرے کو کھلا رکھنے کی) مخالفت کی اور تشدد اور تعصب سے کام لیا)۔''

''جلباب المراۃ'' کے مقدمہ میں صفحہ ۵ سے لے کر صفحہ ۱۷ تک اسی تصنیف کے اقتباسات پھیلے ہوئے ہیں۔

اس قدر واضح موقف کے باوجود حافظ صاحب کے نزدیک علامہ ناصر الدین البانی معذور اور عنداللہ ماجور ہیں، کیونکہ وہ سلفی ہیں، مگر پروفیسر خورشید عالم قابل گرفت ہے، کیونکہ وہ ان کا ہم نوا نہیں:

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اب آتے ہیں اصل موضوع کی طرف۔

سب سے پہلے اس استدلال سے بحث کرتے ہیں جو محض مشاہدہ کی بنیاد پر پیش کیا گیا ہے۔حافظ صاحب نے اپنے جواب کی دوسری قسط ''حکمت قرآن'' کے جنوری کے شمارے میں فرمایا ہے: ''چونکہ زنا کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب چہرے کا کھلا رکھنا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زنا سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اسباب و ذرائع سے بھی منع کر دیا۔'' آگے چل کر فرماتے ہیں کہ ''عورت کا چہرہ زنا کا داعیہ ہے۔'' انھوں نے شرم گاہ کی حفاظت کو چہرے کے پردے کے ساتھ منسلک کرنے کی کوشش کی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مضمون نگار اس منطق کے بدیہی نتیجے سے واقف نہیں ہیں۔اگر صاحب مضمون کی منطق کے مطابق اس بدیہی نتیجے کو مان لیا جائے تو اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مرد کا چہرہ بھی عورت کے لیے زنا کا داعیہ ہے۔تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مرد بھی اپنا چہرہ چھپالیں جیسا کہ سعودی عرب کے بعض قبائل میں رواج ہے اور ان مردوں کو 'ملثمین' (نقاب پوشوں) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔سورۂ نور میں چہرے کو دیکھ کر نگاہیں جھکانے کا جو حکم مردوں کو دیا گیا ہے وہی حکم عورتوں کو

دیا گیا ہے، بلکہ عورتوں کو پہلے حکم دیا گیا ہے اور مردوں کو بعد میں۔

محض چہرے کی ٹکڑی کو دیکھ کر کسی سلیم الفطرت انسان کے ذہن میں جنسی ہیجان پیدا نہیں ہوسکتا۔ لاکھوں انسان ننگے چہروں کے ساتھ مناسک حج ادا کرتے ہیں، کیا کوئی سلیم الفطرت انسان ان چہروں کو دیکھ کر زنا کا تصور بھی کر سکتا ہے، رہا بدفطرت تو اس کی بات ہی کچھ اور ہے، وہ اسلامی احکام کا مخاطب ہی نہیں۔ کیا کھیت کھلیان میں کام کرنے والی، سر پر گھاس پھونس کا گٹھا اٹھانے والی، کئی کلومیٹر دور سے پانی کے گھڑے اٹھانے والی یا شہروں کی سڑکوں پر روڑی کوٹنے والی، نو نو دس دس اینٹوں کو اٹھا کر تعمیر میں حصہ لینے والی اور مشائخ کے گھروں میں جھاڑ و پوچا لگانے والی عورتوں کے ننگے چہروں کو دیکھ کر کسی سلیم الفطرت کے دل و دماغ میں زنا کے جذبات پیدا ہوتے ہیں یا تعریف و تحسین اور ہم دردی کے جذبات؟ ہاں اگر چہرے کے بناؤ سنگار کے ساتھ سر کے بال کھلے ہوں اور ایک خاص انداز سے بنائے ہوئے ہوں اور قمیص کا کھلا گریبان سینے کی غمازی کر رہا ہو تو جنسی جذبات ابھر سکتے ہیں، مگر محض چہرے کے ننگا ہونے سے اس کا قطعی کوئی احتمال نہیں۔

میرے بھائی، میرے برخوردار! زنا کے داعیہ کا تعلق ذہن کی خباثت اور غلط تربیت سے ہے۔ محض چہرے کو دیکھ کر زنا کا خیال ان بدفطرت لوگوں کے ذہن میں آتا ہے جو عورت کو انسان کی بجائے محض شہوانی آسودگی کا آلہ سمجھتے ہیں، جن کے سینوں میں ہوس چھپ چھپ کر تصویریں بنا لیتی ہے۔ کیا ہم ان بدفطرت لوگوں کی خاطر عورت کو نارمل زندگی گزارنے سے محروم کرنا چاہتے ہیں؟ پھر ہمارے مذہبی پیشواؤں نے آنکھوں کو کھولنے کی اجازت تو دے رکھی ہے۔ آنکھیں ظاہر ہے کہ چہرے کا اہم ترین حصہ ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

طرفہ تماشا یہ ہے کہ حافظ صاحب نے یہ منطق بگھارنے کے بعد اپنی بات کو ایک حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ایسی حدیث ہے جس کو امام ناصر الدین البانی نے چہرے کو کھلا رکھنے کے لیے ایک مضبوط دلیل کے طور پر ''جلباب المراۃ المسلمہ'' کے صفحہ ۶۲ پر پیش کیا ہے اور حاشیہ میں اس کے بارے میں کھل کر بات کی ہے۔

آخری حج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد فضل بن عباس آپ کے پیچھے اونٹ پر سوار تھے کہ قبیلۂ خثعم کی ایک خوب صورت عورت نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ فضل بن عباس نے اس عورت کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔ آپ نے ان کی ٹھوڑی کو پکڑ کر دوسری طرف کر دیا۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح لکھا ہے۔ محترم حافظ صاحب نے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ چہرے فتنے کا محل ہیں جبھی تو حضور نے فضل بن عباس کا چہرہ دوسری طرف موڑ دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر چہرہ فتنے کا محل

ہے تو آپ نے اس عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم کیوں نہ دیا؟ جس کا جواب حافظ صاحب یہ دیتے ہیں کہ وہ عورت حالت احرام میں تھی۔ عصر حاضر کے سب سے بڑے محدث ناصر الدین البانی نے اس جواب کو قطعاً غلط قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ واقعہ قربان گاہ کے پاس ۱۰ ذی الحجہ (یعنی قربانی والے دن) پیش آیا جب حاجی احرام کھول دیتے ہیں۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری[1] میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ رمی سے فارغ ہونے کے بعد، قربان گاہ کے قریب پیش آیا۔

انھوں نے امام ابن حزم کا قول نقل کیا ہے کہ اگر چہرہ قابل ستر ہوتا تو آپ سب لوگوں کے سامنے خاموش رہ کر اس بات کی تائید نہ کرتے، بلکہ اس عورت کو حکم دیتے کہ اوپر سے چہرہ پر کوئی پردہ لٹکا لے۔ اس کے بعد علامہ نے فتح الباری[2] کے حوالہ سے ابن بطال کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ چہرے کا چھپانا مسلمان عورتوں کے لیے اس طرح واجب نہیں جس طرح امہات المومنین پر واجب تھا۔

حافظ ابن حجر نے ابن بطال کا قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے: ''خثعمیہ کے قصے سے استدلال محل نظر ہے، کیونکہ وہ حالت احرام میں تھی۔''

علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں: ''ہم اوپر حافظ ابن حجر کا قول فتح الباری[3] سے نقل کر آئے ہیں کہ خثعمی عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت سوال کیا جب آپ جمرۃ العقبہ کی رمی سے فارغ ہو چکے تھے یعنی احرام کھل چکے تھے گویا کہ حافظ ابن حجر اس بات کو بھول گئے جس کی تحقیق انھوں نے خود کی تھی۔ فرض کیا وہ حالت احرام میں تھی تو بھی حضرت عائشہ کی حدیث کے مطابق ان کے لیے روا نہ تھا کہ وہ اجنبیوں کے سامنے اپنا چہرہ ننگا کرتیں، بلکہ اوپر سے کوئی پردہ لٹکا لیتیں۔ خاص طور پر جبکہ وہ حسین تھیں اور فتنے کا ڈر بھی تھا، مگر آپ نے صرف چہرہ موڑنے پر اکتفا کیا اور اس عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہ دیا۔'' اس بحث کی روشنی میں حافظ زبیر صاحب کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس حدیث سے اپنے موقف کے لیے دلیل پکڑیں۔

اب آتے ہیں علمی دلائل کی طرف۔

مولانا حافظ محمد زبیر صاحب نے دلیل اول کے طور پر سورۂ احزاب کی آیت ۵۹ کو پیش کیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ صاحب مضمون نے خاصی کاوش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔ علمی دیانت کا تقاضا تھا کہ

---

[1] ۴: ۶۷۔

[2] ۱۱: ۸۔

[3] ۴: ۶۷۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

انھوں نے جس تفصیل کے ساتھ مفسرین کے اقوال کا حوالہ دیا ہے، اسی تفصیل کے ساتھ احزاب کے بعد نازل ہونے والی سورۂ نور کی آیت ۳۰ میں 'الا ما ظھر منھا' کے بارے میں بھی ان تمام مفسرین کے اقوال کا حوالہ دیتے تو تقابلی مطالعہ سے حافظ صاحب کی سمجھ میں بات آجاتی اور مجھے یہ تحریر لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی، قارئین پر یہ بات واضح رہے کہ ابھی حافظ صاحب کے مضمون کی ایک ہی قسط یعنی سورۂ احزاب کی آیت کی تفسیر شائع ہوئی تھی کہ ''ندائے خلافت'' میں پردے کے بارے میں قارئین کے سوال پر دو مرتبہ حکمت قرآن کے مضمون کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ گویا یہ پہلی قسط ہی پردے کے بارے میں مستند ہے اور حرف آخر کا حکم رکھتی ہے اور پردے کے بارے میں اصل احکام سورۂ احزاب میں نازل ہوئے ہیں، سورۂ نور کے مطالعہ کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ بات سچ ہے تو قرآنی آیات میں اس قسم کی حیلہ گیری تحریف کے مترادف ہے۔

سورۂ احزاب کی زیر بحث آیت میں صاحب مضمون نے لفظ جلباب کی لغوی بحث کا برا مانتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''جلباب کے شرعی معنوں میں بدن کے علاوہ چہرے کو ڈھانپنا بھی ہے۔'' گویا کہ جلباب کے لغوی اور شرعی معنوں میں مغایرت ہے اور اہل لغت لفظ جلباب کے شرعی معنوں سے ناآشنا ہیں۔ یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ ان کی اطلاع کے لیے عرض کروں کہ امام بیضاوی، زمخشری، ابو راغب اصفہانی، فرّاء اور اخفش کی طرح بہت سے اہل لغت صاحب تفسیر بھی ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ لغت میں لفظ جلباب کے معنی کچھ اور ہوں اور شریعت میں کچھ اور۔ خود قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ جلباب کا مقصد چہرہ چھپانا نہیں ورنہ 'ادناء' کا فعل لانے کی کیا ضرورت تھی؟ مفسرین نے لفظ 'ادناء' کے کنایہ سے چہرہ چھپانے کا مفہوم نکالا ہے نہ کہ لفظ جلباب سے۔

دوسری بات حافظ صاحب نے یہ فرمائی ہے: ''ہمارا مقصد اس بحث سے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ درج ذیل مفسرین نے 'جلباب مع الادناء' سے چہرے کا پردہ مراد لیا ہے تاکہ پروفیسر صاحب کے اس ''قول مبارک'' ''یہی وجہ ہے کہ فقہ کے کسی امام نے وجوب ستر کے دلائل میں اس آیت سے استنباط نہیں کیا'' کی قلعی کھل سکے۔ ہم یہی عرض کریں گے کہ ان مفسرین کی فقاہت کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے۔''

سبحان اللہ! ماریں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ میرا مطالبہ یہ تھا کہ کسی فقیہ کا قول پیش کریں جس نے ستر کی بحث میں سورۂ احزاب کی آیت سے استدلال کیا ہو۔ مگر حافظ صاحب فقیہ کا قول نقل کرنے کی بجائے مفسرین کے اقوال کو پیش کرتے ہیں۔ حافظ صاحب کے فہم کی داد دینی پڑتی ہے کہ وہ فقیہ اور مفسر کا فرق نہیں سمجھتے۔

سورۂ احزاب کی آیت کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اس کی شان نزول کا جاننا ضروری ہے۔

امام طبری اپنی تفسیر میں[4] روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ کی بیبیاں

اور دوسری مسلمان عورتیں رفع حاجت کے لیے باہر نکلتی تھیں۔ کچھ لوگ چھیڑ چھاڑ کرنے کے لیے راستے میں بیٹھ جاتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسری اہم بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ نور سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ میں نے اپنے مضمون میں اس بات کو ثابت کیا ہے۔ حافظ صاحب نے حوالہ جات پیش کرنے میں تساہل سے کام لیا ہے۔ اس سلسلہ میں امام طبری اور زمخشری کا حوالہ دوں گا۔ طبری کا جو حوالہ حافظ صاحب نے اپنے مضمون میں دیا ہے، اس کے فوراً بعد امام صاحب فرماتے ہیں: پھر 'ادناء' کی تعریف کے بارے میں اس تاویل میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے چہرے اور سر کو ڈھانپ لیں، جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ جلباب کو اپنی پیشانیوں پر باندھ لیں۔ یہاں انھوں نے ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ادناء الجلباب کا مطلب ہے کہ جلباب کو سر پر اوڑھ کر پیشانی پر کس لیا جائے۔ پھر مشہور تابعی قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اپنے ابروؤں کو چھپا لیں۔ حافظ صاحب نے یہ حوالے دانستہ طور پر گول کر دیے ہیں، کیوں؟

زمخشری کا جو حوالہ حافظ صاحب نے دیا ہے، اس کے معاً بعد صاحب کشاف نے ایسی بات کہی ہے جو غالباً حافظ صاحب سمجھ نہیں سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ یہ کہیں کہ 'من جلابيبهن' میں حرف جار 'من' کے کیا معنی ہیں تو 'من' تبعیض (Splitting) کے لیے آیا ہے اور اس تبعیض کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت تو وہ ہے جس میں 'ادناء' کے معنی نیچے کرنا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے یہاں کے جلابیب میں سے کوئی ایک جلباب اوڑھ لیں۔ اور مراد یہ ہے کہ شریف زادی لونڈی کی مانند صرف قمیص اور اوڑھنی کے ساتھ نہ نکلے، بلکہ گھر میں پڑے ہوئے دو یا دو سے زائد جلبابوں میں سے ایک اوڑھ لے۔ حافظ صاحب نے زمخشری کے یہ الفاظ حذف کر دیے ہیں یا تو اس لیے کہ وہ بات نہیں سمجھ سکے یا پھر اس لیے کہ یہ بات ان کے ذہن میں پہلے سے بیٹھے ہوئے خیالات سے متصادم ہے۔

ان تمام حوالہ جات میں دو باتیں مشترک اور قابل غور ہیں۔

ایک تو ابن سیرین کے اس اثر کا سہارا لیا گیا ہے جس کی رو سے ایک آنکھ کے سوا سارا چہرہ چھپایا جائے۔ اس اثر پر عصر حاضر کے سب سے بڑے محدث نے بحث کی ہے اور جلباب المراۃ المسلمہ[5] میں اس کی قلعی کھول دی ہے۔ اس کے مقابلہ میں قتادہ کی روایت سے ابن عباس کا قول جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، زیادہ قوی ہے۔ ابن نجیح نے مجاہد بن جبر مکی سے اثر روایت کیا ہے کہ 'ادناء' سے مراد پیشانی پر باندھنا ہے۔ مجاہد نے سورۂ نور کی آیت ۳۱ کی جو تفسیر کی ہے،

---

۴ ۴۹:۱۲۔

۵ حاشیہ ص ۸۸۔

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.net

وہ بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے۔ابن عباس نے 'ادناء' کی تفسیر یوں کی ہے۔'تدنی الجلباب الی وجھھا ولا تضرب به یعنی لا تستر'' چادر چہرے تک نیچی کی جائے گی، مگراس کو چھپائے گی نہیں۔'''' درمنثور'' میں سعید بن جبیر کا قول نقل ہوا ہے کہ ادناء کا طریقہ یہ ہے کہ سراور سینے پر جمایا جائے گویا 'لیضربن بخمرھن علی جیوبھن' اسی 'ادناء' کی تفسیر ہے۔

ابن سیرین کے اس ضعیف اثر کو تو دور حاضر کے مذہبی پیشوا بھی نہیں مانتے جنھوں نے ایک آنکھ کھلی رکھنے کی بجائے دو آنکھوں کو کھلا رکھنے کی اجازت دے رکھی ہے۔

دوسرے مفسرین کو یہ بات تسلیم ہے کہ 'یدنین' کا اصلی مفہوم چھپانا نہیں، لیکن چونکہ ان کے سامنے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں وہ ضعیف روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم کنیزوں کے مقابلہ میں آزاد عورتوں کی پہچان کے بارے میں ہے، اس لیے انھوں نے اس کی یہ تعبیر کی ہے۔لیکن کسی طرح یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن حکیم نے فقط آزاد عورتوں کو مورد عنایت قرار دیا ہے اور کنیزوں کی آزار سے چشم پوشی کی ہے۔

علامہ ناصرالدین البانی نے اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے[٦]۔انھوں نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں ان تمام روایات کا ذکر کیا ہے جو ابن سعد، سیوطی (الدرالمنثور) اور امام طبری نے روایت کی ہیں، وہ فرماتے ہیں:

''یہ تمام روایات مرسل ہیں، صحیح نہیں۔ان کے راوی ابو مالک، ابوصالح، کلبی، معاویہ بن قرہ اور حسن البصری ہیں۔ان میں سے کوئی روایت مستند نہیں، اس لیے قابل حجت نہیں۔کیونکہ ان کا ظاہری مفہوم شریعت مطہرہ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کنیزوں کی ایذارسانی کا کوئی ازالہ نہیں کیا اور ان کو بے پردہ رہنے دیا۔یہ عجیب بات ہے کہ بعض مفسرین نے ان ضعیف روایات سے دھوکا کھا کر اللہ تعالیٰ کے قول 'نساء المومنین' کو آزاد عورتوں تک محدود کر دیا۔اور اس بنا پر دعویٰ کیا کہ لونڈی کے لیے سر اور بالوں کو چھپانا واجب نہیں، بلکہ بعض اہل مذہب نے تو اس حد تک مبالغہ آرائی کی کہ لونڈی کے ستر کو مرد کے ستر کی مانند قرار دیا یعنی ناف سے لے کر گھٹنوں تک اور کہنے لگے کہ ''اجنبی کے لیے لونڈی کے بال، بازو، پنڈلیاں، سینہ اور پستان دیکھنا جائز ہے۔... ظاہر یہی ہے کہ نساء المومنین میں آزاد اور لونڈیاں سبھی شامل ہیں۔''

پھر انھوں نے امام ابن حزم اندلسی کا طویل حوالہ دیا ہے جنھوں نے المحلیٰ میں فرمایا ہے:

''لونڈی اور آزاد عورت میں فرق کیسا، جبکہ اللہ کا دین ایک ہے، فطرت ایک ہے۔یہ سب شریف زادیوں اور

---

٦ ''جلباب المراۃ المسلمہ'' ٩٠-٩٥۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

کنیزوں کے لیے یکساں ہے۔اس فرق کو واضح کرنے کے لیے کوئی نص نہیں۔بعض لوگوں نے اللہ کے اس قول 'یدنین علیھن من جلابیبھن ذلك ادنی ان یعرفن فلا یوذین' میں ٹھوکر کھائی ہے کہ اللہ نے اس کا حکم اس لیے دیا کہ فاسق عورتوں کے منہ لگتے تھے،اس لیے آزاد عورتوں کو حکم دیا کہ وہ جلباب پہنیں تا کہ فاسقوں کو پتا چل جائے یہ آزاد عورتیں ہیں،ان کے منہ نہیں لگنا چاہیے۔''(۳:۲۱۸)

''ہم (یعنی امام ابن حزم) اس فاسد تفسیر سے بری الذمہ ہیں۔یہ تفسیر یا تو ایک عالم کی لغزش ہے یا فاضل عاقل کی ٹھوکر ہے یا کسی فاسق کا کذب وافترا، کیونکہ اس کی رو سے اللہ تعالیٰ نے فاسقوں کو کھلا چھوڑ دیا کہ وہ لونڈیوں کی عزت سے کھیلیں۔یہ تو رہتے زمانے تک کے لیے ایک مصیبت ہے۔

اس بارے میں مسلمانوں میں قطعی اختلاف نہیں کہ زنا لونڈی کے لیے اسی طرح حرام ہے جس طرح آزاد عورت کے لیے۔ایک آزاد عورت کا پیچھا کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح لونڈی کا۔اس لیے لازم ہے کہ اس بارے میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے سوا کسی کو سند نہ مانیں، پھر انھوں نے حضرت عائشہ سے مروی حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں آئے تو ان کی ایک لونڈی تھی جو چھپ گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اسے ماہواری آنے لگی ہے؟ کہا گیا کہ ہاں آپ نے اپنے عمامہ کو پھاڑا اور فرمایا: اس سے سر ڈھانپ لو۔لونڈیوں سے چھیڑ چھاڑ کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔وہ کام کاج کے لیے باہر نکلتی ہیں اور سوسائٹی میں غیر محفوظ ہوتی ہیں۔آیت کے اس ٹکڑے کی صحیح تفسیر جیسا کہ ابن العربی نے احکام القرآن میں بیان کی ہے، یہ ہے کہ جب عورت باوقار لباس پہن کر نکلے گی تو اوباش لوگوں کو اسے چھیڑنے کی جرات نہیں ہوگی۔ان کو پتا چل جائے گا کہ یہ باعصمت عورت ہے یہ تفسیر صحیح نہیں کہ چہرہ دیکھ کر پتا چلے گا کہ یہ آزاد ہے یا کنیز۔''(۳:۲۱۹)

بہرکیف یہ بات تعجب خیز ہے کہ جن مفسرین (میری مراد عربی مفسرین ہے) کا حوالہ حافظ محمد زبیر صاحب نے اس آیت کے ضمن میں دیا ہے، ان سب نے سورۂ نور کی تفسیر میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں۔ بلکہ امام طبری، علامہ زمخشری، امام رازی بحوالہ قفال امام قرطبی اور طنطاوی جوہری نے چہرے کو کھلا رکھنے کی حکمت کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔اسی بنا پر میرا حافظ صاحب سے مطالبہ تھا کہ جس تفصیل سے انھوں نے سورۂ احزاب میں حوالہ جات نقل کیے ہیں، اگر وہ اسی تفصیل سے سورۂ نور کے بارے میں حوالہ جات نقل کرتے تو بات نکھر کر سامنے آجاتی، یہ کیسے ہوا کہ مفسرین نے نہ اپنی گفتگو کے تناقض کی طرف توجہ دی اور نہ سورۂ نور کی مذکورہ آیت کی منسوخیت کا دعویٰ کیا۔جب سورۂ احزاب میں 'ادناء الجلباب' کا مطلب چہرہ چھپانا ہے تو پھر اوڑھنی سے سر ڈھانپنے اور اسے سینے کے گرد لپیٹنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟

بات کو سمجھنے کے لیے آیت زیر بحث سے پہلی آیت کی طرف دیکھنا ہوگا جس میں ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيْناً. (۳۳:۵۸)	''وہ لوگ جو بلا سبب ایمان دار مردوں اور عورتوں کی تکلیف کا سامان فراہم کرتے ہیں، وہ بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔''

یہ آیت ان لوگوں کی مذمت کرتی ہے جو مسلمان مردوں اور عورتوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اس کے فوراً بعد عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی آمد و رفت میں وقار اور سنجیدگی کا لحاظ رکھیں تاکہ موذی افراد کی ایذا سے محفوظ رہیں۔ اس آیت کو پیش نظر رکھنے سے زیر بحث آیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مفسرین کے نزدیک سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی آیات میں تناقض نہیں ہے۔ یہ لوگ سورۂ نور کی آیت کو ایک کلی اور دائمی حکم کی حیثیت سے سمجھتے ہیں خواہ عورتوں کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ ہو یا نہ ہو، لیکن سورۂ احزاب کی آیت ان کے نزدیک، ان عورتوں کے لیے مخصوص ہے جو اوباش لوگوں کی مزاحمت سے دوچار ہوں۔ اگر حالات ایسے ہوں کہ بدنہاد مرد عورت کے منہ لگیں اور دست درازی کریں تو ایسی حالت میں چہرہ چھپانا تو ایک طرف عورت پر واجب ہے کہ گھر سے ہی نہ نکلے، مگر ہر زمان و مکان کی عورت پر چہرہ چھپانا خواہ ایذا رسانی کا کوئی خطرہ نہ ہو، تشدد ہے اور دین میں غلو کے مترادف ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ البانی نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی ہے:

لا تشددوا علی انفسکم، فانما هلك من قبلکم بتشدیدهم علی انفسهم، وستجدون بقایاهم فی الصوامع والدیارات.	''اپنے آپ پر سختی نہ کرو، کیونکہ اس سختی کے باعث تم سے پہلے لوگ برباد ہو گئے۔ تم ان لوگوں کی بقیہ نسل گرجوں اور خانقاہوں میں دیکھو گے۔''

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، رقم ۳۶۹۴)

مفسرین کرام نے اس فرق کو پیش نظر رکھ کر آیات کی تفسیر کی ہے۔ ان کو یہ بات تسلیم ہے کہ 'ادناء' کا اصلی مفہوم چھپانا نہیں، لیکن ان کے پیش نظر وہ ضعیف روایات ہیں کہ یہ حکم کنیزوں کے مقابلہ میں آزاد عورتوں کی پہچان کے بارے میں ہے، اس لیے انھوں نے بطور احتیاط اس سے چہرہ چھپانے کا مطلب اخذ کیا ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی نے 'ادناء' کے بارے میں بحث کو سمیٹتے ہوئے فرمایا ہے کہ مخالفین نے دو قسم کی غلطی کی ہے[7]۔

''پہلے تو انھوں نے آیت جلباب میں ادناء کی تفسیر چہرے کو ڈھانپنا کیا ہے۔ یہ لغت میں اس لفظ کی اصل کے

---

[7] جلباب المراۃ المسلمہ ۵۔

خلاف ہے، کیونکہ اس لفظ کے اصلی معنی تقرب کے ہیں جیسا کہ لغت کی سب کتابوں میں ہے۔ اور جیسا کہ علامہ راغب اصفہانی نے المفردات میں کہا ہے: 'یقال دانیت بین الأمرین و أدنیت احدهما من الآخر' یعنی میں نے دو چیزوں کو باہم قریب کیا یا ایک چیز کو دوسری کے قریب کیا۔ مثال کے طور پر انھوں نے زیر بحث آیت کو پیش کیا ہے۔ (میں نے اس قول کی تائید میں ابن قتیبہ دینوری، نحو ولغت کے امام کسائی، صاحب کشاف (تفسیر اور اساس البلاغہ) کے اقوال اپنے مضمون میں پیش کیے ہیں، مگر حافظ زبیر صاحب نے ان تمام اقوال کو شذوذات سے تعبیر کیا ہے) اس سلسلہ میں ترجمان القرآن ابن عباس کی تفسیر حجت کے لیے کافی ہے 'تدنی الجلباب الی وجهها و لا تضرب به' یعنی جلباب چہرے کی طرف نیچے کیا جائے گا، مگر اسے چھپائے گا نہیں۔''

علامہ البانی نے حافظ ابن قطان کا یہ جواب نقل کیا ہے (ص ۵۷) کہ 'یدنین علیهن من جلابیبهن' کے وہی معنی ہوں گے جو 'و لیضربن بخمرهن علی جیوبهن' کے ہیں یعنی جلباب اتنا نیچے کیا جائے گا کہ اس سے گلے کا ہار اور کانوں کی بالیاں چھپ جائیں۔

''دوسرے انھوں نے جلباب کی تفسیر ایسا کپڑا کی ہے جو چہرے کو ڈھانپ لیتا ہے۔ لغت میں اس معنی کی کوئی اصل نہیں پھر یہ علما کی اس تفسیر کے منافی ہے کہ یہ ایسا کپڑا ہے جسے عورت اپنی اوڑھنی پر ڈالتی ہے، انھوں نے اپنے چہرے پر نہیں کہا۔''

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

سیرت صحابہ

محمد وسیم اختر مفتی

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

— ۳ —

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

یعقوبی کے بیان کے مطابق مہاجرین میں سے عباس بن عبدالمطلب، فضل بن عباس، زبیر بن عوام، خالد بن سعید، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، براء بن عازب اور ابی بن کعب نے ابوبکر کی بیعت نہ کی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی نے چالیس روز بعد اور دوسری کے مطابق چھ ماہ بعد بیعت کی جب فاطمۃ الزہرا نے وفات پائی۔ اہل سنت علما کا اصرار ہے کہ علی اور زبیر سمیت تمام صحابہ ابوبکر کی بیعت پر متفق ہو گئے تھے۔ ابن کثیر کا کہنا ہے کہ زبیر بن عوام اور علی بن ابوطالب نے فوراً اسی دن یا دوسرے دن بیعت کر لی۔ وہ ابوبکر کی اقتدا میں نماز پڑھتے، ان کے مشوروں اور ان کی مہمات میں شامل ہوتے۔ علی کا چھ ماہ گزرنے کے بعد بیعت کرنے کا جو ذکر آتا ہے، وہ ان کی بیعت ثانیہ ہے جو میراث کے مسئلہ پر ابوبکر اور فاطمہ میں ہونے والی شکر رنجی دور کرنے کے لیے کی گئی۔ سعید بن زید سے پوچھا گیا کہ کیا کسی شخص نے ابوبکر کی بیعت کی مخالفت بھی کی؟ ان کا جواب تھا: ''مرتدین کے علاوہ کسی نے نہیں یا وہ جو مرتد ہونے لگے تھے اگر اللہ ان کو انصار سے نہ بچا لیتا۔'' ان سے اگلا سوال کیا گیا کہ کیا مہاجرین میں سے کوئی (بیعت کیے بغیر) بیٹھا بھی رہا؟ انھوں نے جواب دیا: ''کوئی نہیں۔''

اگلے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ کے بعد ابوبکر نے لوگوں سے خطاب کیا۔ حمد وثنا کے بعد انھوں نے فرمایا:

''لوگو، میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر برا کام کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تم میں سے کم زور میرے نزدیک

طاقت والا ہے حتیٰ کہ میں اسے اس کا حق دلا دوں۔ تم میں سے طاقت ور کم زور ہوگا حتیٰ کہ میں اس سے حق لے لوں۔ کوئی قوم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں چھوڑتی، مگر اللہ اسے ذلت میں بے یار و مدد گار چھوڑ دیتا ہے۔ کسی قوم میں بے حیائی عام نہیں ہوتی، مگر اللہ ان میں مصیبتیں عام کر دیتا ہے۔ تب تک میری بات مانو جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں۔ اور جب میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہ ہوگی۔ اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔''

اسامہ پیغمبر اکرم کے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کے بیٹے تھے، انھیں جنگ احد میں صغر سنی کی وجہ سے واپس کر دیا گیا تھا البتہ، جنگ حنین میں انھوں نے داد شجاعت دی تھی۔ جب غزوۂ موتہ میں رومیوں کے ہاتھوں زید کی شہادت ہوئی تو آپ نے اسامہ کو رومیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجے جانے والے لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ ۸ ربیع الاول ۱۱ھ کو آپ نے اپنے دست مبارک سے ان کے ہاتھ میں علم دیا۔ کچھ لوگ ایک بیس سالہ بچے کی سپہ سالاری پر مطمئن نہ تھے، ان کی چہ میگوئیوں کی خبر آں حضور کو مرض الموت میں ملی چنانچہ جس روز آپ کا بخار اترا، آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا: ''اسامہ امارت کا اہل ہے اور اس کا باپ بھی امارت کے لائق تھا۔'' آپ کی وفات کے روز اسامہ نے کوچ کی اجازت مانگی، آپ کو شدید ضعف تھا پھر بھی آپ نے اجازت دے دی اور دعا بھی فرمائی۔ پھر جب جرف کے مقام پر اسامہ کو سانحۂ وفات کی خبر ملی تو وہ لوٹ آئے اور آپ کو غسل دینے میں شریک ہوئے۔ بیعت مکمل ہونے کے بعد ابوبکر نے پہلا حکم یہ جاری کیا کہ اسامہ کا لشکر روانہ کیا جائے تو معترضین پھر حرکت میں آ گئے۔ انھوں نے ابوبکر سے کہا کہ ہر طرف بغاوت کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور یہ حالات مسلمانوں کے لیے پر خطر ہیں۔ لشکر روانہ نہ کریں یا اسامہ کی بجائے ایسے شخص کو سپہ سالار مقرر کریں جو عمر میں بڑا ہو۔ ابوبکر نے ثابت قدمی سے فرمایا: ''اگر شکاری پرندے مجھے اٹھا کر لے جائیں، تمام عرب مجھ پر پل پڑے تو بھی میں رسول اللہ کا حکم پورا کرنے سے پہلے کوئی کام نہ کروں گا۔'' عمر نے اس سلسلے میں بات کی تو ان کو جواب دیا: ''اے ابن خطاب، اسامہ کو رسول اللہ نے امیر مقرر فرمایا ہے اور تم کہتے ہو، میں اسے اس کے عہدے سے ہٹا دوں۔'' پھر انھوں نے حکم دیا کہ مدینہ کا جو شخص بھی اس لشکر میں شامل تھا پیچھے نہ رہے، وہ جرف جا کر لشکر میں مل جائے۔'' وہ خود وہاں پہنچے اور لشکر کو روانہ کیا۔ اسامہ گھوڑے پر تھے اور ابوبکر پیدل چل رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ، آپ بھی سوار ہو جائیے۔ ابوبکر نے جواب دیا: کیا ہوا اگر ایک گھڑی میں نے اپنے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود کر لیے؟'' انھوں نے اسامہ سے درخواست کی کہ اپنے ایک سپاہی عمر کو میری معاونت کے لیے چھوڑ جاؤ۔ آخر میں فوج کو یہ نصیحتیں فرمائیں: خیانت نہ کرنا، چوری اور بدعہدی نہ کرنا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، مقتولوں کے اعضا نہ کاٹنا، کھجور اور پھل والے درخت نہ کاٹنا، کھانا اللہ کا

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

نام لے کر کھانا۔ اللہ تمھیں شکست اور وبا سے محفوظ رکھے۔'' اسامہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا۔ آبل اور قضاعہ قبائل پر حملوں میں بے شمار رومی مارے گئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اسامہ نے سرحدی جھڑپوں پر اکتفا کیا اور وہ اندرون روم میں گھسے بغیر واپس آ گئے، اس لیے کہ موجودہ زمانے کی اصطلاح کے مطابق یہ مہم چڑھائی نہیں، بلکہ ایک تادیبی کارروائی تھی۔ لشکر واپس آیا تو ابوبکر اور کبار صحابہ نے مدینہ سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔ جیش اسامہ کے رعب اور دبدبے کا یہ اثر ہوا کہ مرتدین مدینہ پر فوری حملہ کرنے سے باز رہے۔

پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد عربوں کی بدوی فطرت بیدار ہو گئی۔ وہ مرکز مدینہ سے آزاد ہو کر ارتداد کی تیاریاں کرنے لگے۔ زیادہ دن نہ گزرے کہ ابوبکر کو امرا کی طرف سے اطلاعات ملنے لگیں کہ باغیوں کے ہاتھوں سلطنت کا امن خطرے میں ہے۔ بعض قبائل تو صریح مرتد ہو گئے، جبکہ دوسروں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ مدینہ کے نواح میں بسنے والے قبیلوں عبس، ذبیان، بنوکنانہ، غطفان اور فزارہ نے موقف اختیار کیا کہ زکوٰۃ جزیہ کے مانند ہے۔ یہ خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی، اہل مدینہ اسے طلب کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ وہ خلافت ابوبکر کو بھی نہ مانتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جیسے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول اسلام کے بعد یمن کے عامل بازان کو اس کے عہدے پر برقرار رکھا تھا، ہم کو بھی اپنے علاقے میں خود مختاری دی جائے۔ ان حالات میں جبکہ مدینہ کے بیش تر افراد جیش اسامہ کے ساتھ جا چکے تھے، ابوبکر کی شوریٰ میں یہ رائے اکثریت اختیار کر گئی کہ منکرین زکوٰۃ سے جنگ نہ کی جائے۔ عمر نے کہا: ''ہم ان لوگوں سے کیسے لڑ سکتے ہیں جو کلمہ گو ہیں؟'' ابوبکر نے کہا: ''بخدا، میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں فرق کرنے والوں سے ضرور لڑوں گا۔ اگر یہ مجھے ایک رسی بھی دینے سے انکار کریں جو وہ رسول اللہ کے زمانے میں ادا کیا کرتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔'' تب عمر کو یقین ہو گیا کہ ابوبکر کو جو شرح صدر عطا ہوا ہے، وہی حق ہے۔ ان پڑوسی قبائل نے فوجیں اکٹھی کر کے ابرق اور ذوالقصہ کے مقامات پر پڑاؤ ڈال دیا۔ وہ وفود کی شکل میں مدینہ آئے اور ادائے زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے کا مطالبہ کیا، ان کی آمد کا مقصد مدینہ کی جاسوسی کرنا بھی تھا۔ ابوبکر نے ان کے ارادوں کو بھانپ لیا۔ چنانچہ انھوں نے اہل مدینہ کو جمع کر کے فرمایا: ''دشمن کو تمھاری کمزوریوں کا علم ہے۔ وہ تم سے ایک منزل[1] کے فاصلے پر خیمہ زن ہے۔ ہم نے اس کے شرائط ماننے سے انکار کیا ہے، اس لیے وہ تم پر ضرور حملہ کرے گا۔'' تین ہی روز گزرے کہ منکرین زکوٰۃ نے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ مدینہ کے ناکوں پر ابوبکر کی طرف سے متعین کردہ علی، زبیر، طلحہ اور ابن مسعود نے فوراً ان کو خبر کی۔ جب ان حملہ آوروں پر مسلمانوں کی جانب سے اچانک

---

[1] روایتی ذرائع سفر کے ذریعے سے ایک دن کا سفر۔

جوابی یلغار ہوئی تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ مسلمان ان کے پیچھے ذوحسا تک پہنچے تو وہاں موجود منکرین کے ساتھی مقابلے پر اتر آئے۔ رات بھر لڑائی کے بعد جب انھوں نے مسلمان سواروں کے اونٹوں پر کمندیں پھینکنی شروع کیں تو اونٹ بھاگ کھڑے ہوئے اور مدینہ جا کر دم لیا۔ منکرین کی یہ فتح عارضی ثابت ہوئی، کیونکہ رات کے پچھلے پہر ابوبکر مدینہ سے تازہ دم سپاہی لے کر میدان کارزار آن پہنچے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جنگ ذوالقصہ جنگ بدر سے بہت مشابہت رکھتی ہے، اس میں بھی قلیل التعداد مسلمانوں نے بھاری اکثریت رکھنے والے دشمن کو شکست دی۔ ابوبکر نے عزم وایقان کا جو مظاہرہ کیا، انھی کے شایان شان تھا، کیونکہ انھوں نے آغاز اسلام ہی سے رسول اللہ کی کامل پیروی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ وہ منکرین کو دو باتوں کی پیش کش کرتے، ذلت وخواری قبول کر لو یا جنگ اور جلاوطنی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جیش اسامہ کی واپسی کے بعد ابوبکر اس لشکر کی خود قیادت کرتے ہوئے ابرق پہنچے، جہاں بنوعبس، بنوبکر اور ذبیان کے ساتھ ان کا آخری معرکہ ہوا۔ انھوں نے ذبیان کو ہمیشہ کے لیے ابرق سے نکالنے کا اعلان کیا اور وہاں کی اراضی اور چراگاہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ مذکورہ منکرز کوٰۃ قبیلے شکست کے بعد بھی باز نہ آئے، ان کی قبائلی عصبیت نے انھیں حقائق ماننے سے باز رکھا۔ انھوں نے اپنی شرم ناک شکست کا بدلہ اپنے زیر دسترس مسلمانوں کو قتل کر کے لیا اور خود بنواسد کے مدعی نبوت طلیحہ بن خویلد سے جا ملے۔ منکرین زکوٰۃ کی شکست کے بعد لوگ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے جوق در جوق مدینہ آنے لگے۔ سب سے پہلے صفوان تمیمی اور عدی بن حاتم طائی آئے۔

بنواسد میں طلیحہ، بنوتمیم میں سجاح اور بنو یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے دعوائے نبوت کیا۔ لقیط بن مالک عمان میں اور اسود عنسی یمن میں شورش کے ذمہ دار تھے۔ اسود نامی کاہن جنوبی یمن میں رہتا تھا، شعبدہ بازی کرتے کرتے اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنا لقب رحمان الیمن رکھا۔ وہ یمن، حضرموت، بحرین اور عدن پر قابض ہو گیا۔ اس کا نعرہ تھا: 'یمن یمنیوں کا ہے، اجنبیوں کو نکال دو'۔ تب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے اور رومیوں کے خلاف لشکر اسامہ کی تیاری میں مصروف تھے، آپ نے اسود کے خلاف کارروائی کو موخر فرمایا، اسی دوران میں آپ کا انتقال ہوا اور اسود کو اس کے قریبی ساتھیوں ہی نے قتل کر دیا۔ یہ پہلی خوش خبری تھی جو خلیفۂ اول ابوبکر کو ملی۔ مسیلمہ نے آں حضرت کو خط بھیجا تھا کہ نصف زمین ہماری ہے اور نصف قریش کی۔ یہ لوگ اسلام میں رسوخ نہ رکھتے تھے، شام وایران سے متصل ہونے کی وجہ سے ان میں بت پرستی اور آتش پرستی کے اثرات تھے پھر انھیں خود مختاری کا شوق بھی تھا، اہل یمن تو حجازیوں سے پہلے سے نفرت کرتے تھے۔ مکہ کے عامل عتاب بن اسید لوگوں کے اسلام سے منحرف ہونے کا اندیشہ

کرتے ہوئے روپوش ہو گئے، جبکہ وہاں کے باشندوں کو سہیل بن عمرو نے مرتد ہونے سے روکا۔اسی طرح طائف کا قبیلہ بنوثقیف مرتد ہونا چاہتا تھا، وہاں کے گورنرعثمان بن ابوالعاص نے ان کو باز رکھا۔

مرتدین سے جنگ کرنے سے پہلے ابوبکر نے ان کو خطوط ارسال کیے۔انھوں نے لکھا: ''رسول اللہ بشارت و انذار کا کام مکمل کر چکے تو انھیں اللہ نے اپنے پاس بلا لیا۔اب تم میں سے جو لوگ جہالت کے باعث اسلام سے پھر گئے ہیں، اگر وہ اپنی دین مخالف سرگرمیوں سے باز آ گئے تو ان کی جان بخشی کر دی جائے گی۔جو آمادۂ فساد ہوں گے، ان سے جنگ کی جائے گی، ان کو بری طرح قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے گا۔ان کا اذان دینا ان کے اسلام کی علامت سمجھا جائے گا۔'' بہت سے مرتدین نے اسلام کی طرف رجوع کر لیا۔اب ارتداد پر قائم سرکشوں کی سرکوبی کا مرحلہ آیا۔اسامہ کا لشکر اچھی طرح آرام کر چکا تو ابوبکر اسے لے کر مدینہ سے نکلے۔ذوالقصہ پہنچ کر انھوں نے لشکر کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا، ہر حصے کو الگ پرچم دے کر الگ امیر مقرر کیا۔ابوبکر نے بنواسد کے طلیحہ بن خویلد کی طرف خالد بن ولید کو، بنوحنیفہ کے مسیلمہ کی طرف عکرمہ بن ابوجہل کو، یمامہ اور قضاعہ کی طرف شرجیل بن حسنہ کو، اسود عنسی، عمرو بن معدی کرب اور قیس بن مکشوح کی طرف مہاجر بن ابوامیہ کو، تہامہ کی طرف سوید بن مقرون کو، حطم بن ضبیعہ اور قیس بن ثعلبہ کی طرف علا بن حضرمی کو، عمان کے لقیط بن مالک کی طرف حذیفہ بن محصن کو، مہرہ کی طرف عرفجہ بن ہرثمہ کو، قضاعہ کی طرف عمرو بن عاص کو، بنوسلیم اور بنوہوازن کی طرف معن بن حاجز کو اور شام کی سرحدوں کی طرف خالد بن سعید کو بھیجا۔انھوں نے دستوں کو ہدایت کی کہ جن قبیلوں پر ان کا گزر ہو، وہاں کے مسلمانوں کو لشکر میں شامل کرتے جائیں، کوئی سپہ سالار فتح حاصل کرنے کے بعد مرکز مدینہ کے حکم کے بغیر اپنی پوزیشن نہ چھوڑے۔

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.net

عبس، ذبیان، بنوبکر، بنوطی، غطفان اور بنوسلیم مدعی نبوت طلیحہ سے جا ملے تھے، یہ سب بزاخہ میں اکٹھے ہو گئے۔ طلیحہ نے دعویٰ کیا کہ محمد کی طرح مجھ پر بھی وحی آتی ہے۔اس نے کچھ مقفیٰ عبارتیں بنا کر لوگوں کو سنائیں اور لوگوں کو رکوع و سجود سے منع کر دیا۔ادھر عدی بن حاتم طائی زکوٰۃ ادا کر کے مدینہ سے لوٹے اور اپنے قبیلے طے کو اسلام کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔قبیلہ والے مان گئے تو عدی نے سنخ پہنچ کر خالد بن ولید کو تین دن کے لیے بزاخہ پر حملہ کرنے سے روکا۔اس دوران میں عدی نے طلیحہ کے لشکر میں موجود اپنے پانچ سو آدمیوں کو واپس بلا لیا۔خدا کی قدرت کہ طلیحہ کو شبہ تک نہ ہوا اور یہ آدمی لشکر خالد کے سپاہی بن گئے۔اب خالد کا ارادہ انسر جا کر قبیلۂ جدیلہ سے جنگ کرنے کا تھا۔عدی نے کہا: اگر طی قبیلہ پرندہ ہوتا تو جدیلہ اس کا پر بنتا۔کچھ روز مہلت دے کر مجھے جدیلہ جانے

دیں، شاید اللہ اس قبیلے کو بھی ارتداد سے بچا لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جدیلہ کے ایک ہزار سوار مرتدین کے جتھے سے ٹوٹ کر جیش خالد میں شامل ہو گئے۔ ادھر بزاخہ میں موجود طلیحہ اب بھی مقابلے پر تیار تھا، کیونکہ ابوبکر کا جانی دشمن عیینہ بن حصن سات سو فزاری لیے اس کے ساتھ تھا۔ اس نے سپہ سالاری سنبھالی جب کہ طلیحہ خیمے میں کمبل اوڑھے وحی کا انتظار کرتا رہا۔ اسلامی لشکر کا دباؤ بڑھا اور جھوٹے نبی کی وحی میں تاخیر ہوئی تو عیینہ نے اپنی قوم کو پکارا: اے بنوفزارہ! طلیحہ کذاب ہے، بھاگ کر اپنی جانیں بچاؤ۔ باقی لشکر طلیحہ کے گرد اکٹھا ہو گیا، اس نے اپنے لیے ایک گھوڑے اور اپنی بیوی نوار کے لیے اونٹ کا انتظام کیا ہوا تھا۔ یہ کہہ کر وہ بھاگ کھڑا ہوا کہ تم بھی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جانیں بچاؤ۔ وہ شام پہنچا اور بنوکلب میں سکونت اختیار کر لی۔ اس کے اکثر ساتھی مسلمان ہو گئے تو وہ بھی اسلام لے آیا، عمر کی خلافت میں اسے بیعت کا موقع ملا۔ خالد بن ولید ایک ماہ بزاخہ میں مقیم رہے۔ انھوں نے مسلمانوں کا قتل کرنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچایا اور قرہ بن ہبیرہ، فجاہ سلمٰی اور ابوشجرہ جیسے مرتدوں کو بیڑیاں پہنا کر مدینہ بھیج دیا۔ ابوبکر نے فجاہ کو جلانے کا حکم دیا، کیونکہ اس نے افواج اسلامی کے ہتھیار مسلمانوں ہی کے خلاف استعمال کیے تھے، باقی لوگوں کو انھوں نے معاف کر دیا۔ بزاخہ کے ہم سایہ میں رہنے والے بنوعامر بھی مسلمان ہو گئے جبکہ طلیحہ کا ساتھ دینے والے غطفان، طی، ہوازن اور سلیم کے کچھ لوگ ام زمل سلمٰی بنت مالک کے پاس جا پہنچے۔ یہ بنوفزارہ کے سردار عیینہ کی چچی ام قرفہ فاطمہ بنت بدر کی بیٹی تھی۔ ام قرفہ کو خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرایا تھا، یہ لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتی تھی۔ ام زمل لونڈی بن کر عائشہ کے حصے میں آئی جنھوں نے اسے آزاد کر دیا۔ آزادی کے بعد اس نے اپنی ماں کے قتل کا بدلہ لینا اپنا مقصد بنا لیا۔ مسلمانوں کی فوج کا ام زمل کی فوج سے ٹکراؤ ہوا، پورے سو آدمیوں کو جہنم واصل کرنے کے بعد وہ ام زمل تک پہنچے۔ اس کے خاتمے کے بعد اس کی فوج بھی تتر بتر ہو گئی۔

شمال مشرقی عرب کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد ابوبکر جنوبی عرب کی طرف متوجہ ہوئے جہاں بنوتمیم مقیم تھے۔ یہ لوگ قبر پرست تھے، ان میں سے کچھ عیسائی ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسی قبیلے نے سب سے پہلے جزیہ دینے سے انکار کیا۔ آپ نے عیینہ بن حصن کو ان کے پاس بھیجا، وہ ان کو مطیع کر کے مدینہ لے آئے۔ اس موقع پر بنوتمیم مسلمان ہو گئے، آپ نے اس قبیلے کی مختلف شاخوں کے لیے الگ الگ امیر مقرر فرمائے۔ مالک بن نویرہ بنویربوع کا سردار تھا، آپ کی وفات کے بعد اس نے ابوبکر کی خلافت ماننے اور آپ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ سجاح بنت حارث بھی بنویربوع سے تعلق رکھتی تھی، اس کی شادی اپنے ننھیال تغلب میں ہوئی تھی۔ یہ بہت ذہین تھی، کہانت کے ساتھ اسے لوگوں کی رہبری کرنا آتا تھا۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.net

تو اس نے نواحی قبائل کا دورہ کیا اور انھیں مدینہ پر ہلا بولنے کے لیے آمادہ کرنے لگی۔ اس کا خیال تھا، وہ نبوت کا دعویٰ کرے گی تو تمام بنوتمیم اس پر ایمان لے آئیں گے اور وہ مدینہ پر دھاوا بول دے گی۔ کہا جاتا ہے کہ ایرانی عمال اس کی پشت پر تھے۔ ان کی منصوبہ بندی کے مطابق یہ عرب میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھنے تک مقیم رہی اور مقصد پورا ہونے کے بعد عراق واپس چلی آئی۔ مالک بن نویرہ نے اسے مدینہ پر حملہ کرنے سے باز کیا۔ پھر وکیع بھی سجاح سے مل گیا اور ان تینوں نے اپنے ہی قبیلے بنوتمیم کے دوسرے سرداروں پر حملہ کر دیا۔ جلد ان دونوں کو محسوس ہوا کہ انھوں نے اس عورت کا ساتھ دے کر بڑی غلطی کی ہے۔ سجاح تمیم سے نامراد پلٹی، مدینہ کو جاتے ہوئے نباج پہنچ کر اوس بن خزیمہ سے شکست کھائی تو یمامہ آن پہنچی۔ یہاں کے نبی مسیلمہ کو اپنی نبوت کی فکر پڑ گئی تو اس نے دونوں نبوتوں کو جمع کرنے کے لیے سجاح کو دام میں پھنسایا اور اس سے شادی کر لی۔ مہر مسیلمہ کی زرعی آمدن کا نصف مقرر ہوا، سجاح کے لیے عشا اور فجر کی نمازوں میں تخفیف کر دی گئی۔ ادھر مالک بن نویرہ اکیلا رہ گیا تھا، کیونکہ اس کا دست راست وکیع مسلمان ہو کر زکوٰۃ ادا کر چکا تھا۔ خالد بن ولید بنواسد وغطفان کی سرکوبی سے فارغ ہو چکے تھے، انھوں نے تمیم کا رخ کرنے کا ارادہ کیا۔ انصار پہلے تو بزاخہ میں رہ گئے پھر خالد کے ساتھ آن ملے۔ مالک نے اپنی کم زور پوزیشن کا جائزہ لیا تو اپنی قوم کو منتشر کر دیا اور خود روپوش ہو گیا۔ خالد کا بھیجا ہوا ایک دستہ مالک کو گرفتار کر لایا۔ مالک نے اسلام کا اقرار کیا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھی، لیکن زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، چنانچہ خالد نے اس کو قتل کرا دیا۔ ان کا مالک کو قتل کرانا بہت نزاع کا باعث بنا۔ ابوقتادہ انصاری جو مالک کو گرفتار کرنے والوں میں شامل تھے، کہتے ہیں کہ اس نے زکوٰۃ کا اقرار بھی کیا تھا، دوسرے راوی اس اقرار کو نہیں مانتے۔ پھر جب خالد نے اسلامی احکام اور مروج جاہلی رسوم، دونوں کے علی الرغم مالک کی بیوہ لیلیٰ سے اس کی عدت گزرنے سے پہلے ہی شادی کر لی تو ان پر الزام لگا کہ انھوں نے اس خوب رو عورت سے شادی کی خاطر اس کے شوہر کو مروایا۔ ابوقتادہ تو اس قدر ناراض ہوئے کہ یہ قسم کھا کر مدینہ لوٹ گئے کہ آیندہ کبھی خالد کے جھنڈے تلے نہ لڑیں گے۔ انھوں نے ابوبکر کو یہ واقعہ سنایا تو انھوں نے توجہ نہ دی پھر وہ عمر کے پاس گئے۔ عمر نے ابوبکر کو مشورہ دیا، اس الزام کی بنا پر خالد کو معزول کر دیا جائے۔ ان کو گوارا نہ ہوا کہ ایک لغزش کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ قائد کو معزول کر دیں، چنانچہ ان کا جواب تھا: ''میں اس تلوار کو نیام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کافروں پر مسلط کیا ہو۔'' خالد مدینہ پہنچ کر ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعے کی تفصیلات ان کے گوش گزار کیں۔ ابوبکر نے مالک کے قتل کے متعلق ان کی معذرت قبول کی، لیکن اس کی بیوی سے شادی پر ناراضی کا اظہار کیا اور اسے طلاق دینے کا حکم دیا۔ ابوبکر کا طرز عمل خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

عمل کی پیروی تھا جب خالد نے بنوخزیمہ کے قیدیوں کو قتل کرنے میں جلدی کی تھی۔ آپ نے مقتولوں کی دیت ادا فرمائی، بنوخزیمہ کا ایک ایک برتن واپس کیا، اللہ کے حضور خالد کے عمل کی برأت پیش کی، لیکن خالد کو معزول نہ فرمایا۔ مالک بن نویرہ کے قتل کا معاملہ طے کرنے کے بعد ابوبکر نے خالد کو یمامہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا جہاں مسیلمہ بنوحنیفہ کے چالیس ہزار جنگ جو اشخاص کے ساتھ مقیم تھا، وہ بطاح پہنچے اور ابوبکر کی کمک کا انتظار کرنے لگے۔

مطالعۂ مزید: الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، الامامہ والسیاسہ (ابن قتیبہ)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی)، الصدیق ابوبکر (محمد حسین ہیکل)، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (جواد علی)، عبقریۃ الصدیق (عباس محمود العقاد)۔

[باقی]

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

افادات غامدی

اخذ وتحریر: معظم صفدر

نظر ثانی: منظور الحسن

[جناب جاوید احمد صاحب غامدی اپنے ہفتہ وار درس قرآن وحدیث کے بعد شرکا کے سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ ان میں سے چند منتخب سوال وجواب تحریر میں منتقل کر کے پیش کیے جا رہے ہیں۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درود وسلام

سوال: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیجتے ہیں، ایمان والو، تم بھی ان پر بہت زیادہ رحمت اور سلام بھیجو۔ میرا سوال یہ ہے کہ رسول اللہ پر درود تو ہم درود ابراہیمی کے ذریعے سے بھیجتے ہیں، لیکن سلام کے الفاظ کیا ہونے چاہییں؟

جواب: نماز میں ہم التحیات پڑھتے ہوئے 'السلام علیك ایھا النبی' کے الفاظ ادا کرتے ہیں، اس سے ہم رسول اللہ پر سلام بھیجتے ہیں۔ یہی الفاظ ہم عام زندگی میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کا یہی طریقہ بتایا گیا ہے۔

درود وسلام سلامتی اور رحمت کی دعا ہے یعنی اللہ کے حضور میں یہ درخواست ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ یہ ہماری خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ہم ماں کے لیے دعا کریں، باپ کے لیے دعا کریں، اعزہ و اقربا کے لیے دعا کریں اور سب سے بڑھ کر اللہ کے پیغمبر کے لیے دعا کریں جس کے ذریعے سے ہمیں ہدایت ملی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دعا ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے بھی ضرور کرنی چاہیے۔

(اگست ۲۰۰۴)

اللہ کے صفاتی نام

سوال: اللہ کے صفاتی ناموں کے بارے میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان میں سے بعض نام موزوں نہیں ہیں۔ اس ضمن میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے جو نام خود بیان کیے ہیں، انھیں ناموزوں قرار دینے کی جسارت کوئی کیسے کر سکتا ہے۔ البتہ کچھ صفاتی نام لوگوں نے از خود بنا لیے ہیں جو ہمارے ہاں عام طور پر ''ننانوے نام'' کے عنوان سے مشہور ہیں۔ یہ کسی مستند جگہ پر بیان نہیں ہوئے۔ ان میں سے کچھ نام ایسے بھی ہیں جو افعال سے بنا لیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ کا یہ فعل بیان ہوا ہے کہ وہ اس آدمی کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو اس کی ہدایت کی قدر نہیں کرتا۔ اس بنا پر یہ بات کہنا تو ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق گمراہ بھی کرتا ہے، لیکن اس سے اگر اسم صفت (Adjective) 'المضل' (گمراہ کرنے والا) بنا لیا جائے اور اسے اللہ کا صفاتی نام قرار دیا جائے تو یہ بات ناموزوں ہوگی۔

(اگست ۲۰۰۴)

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

قرض کی رقم پر منافع لینا

سوال: کسی آدمی کو اگر اس صورت میں قرض دیا جائے کہ اصل رقم تو ہر حال میں مقروض کے ذمہ رہے، مگر اس رقم سے منافع کی صورت میں اسے بھی منافع میں شریک کیا جائے۔ کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے؟

جواب: اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا بالکل ٹھیک ہے۔ موجودہ زمانے میں لوگ اطمینان کے ساتھ دوسروں سے شراکت اور مضاربت پر پیسا لیتے ہیں اور ہاتھ جھاڑ کر کہہ دیتے ہیں کہ نقصان ہو گیا ہے۔ اس لیے میں لوگوں کو ہمیشہ کہتا ہوں کہ آپ قرض دیجیے اور اسی وقت یہ طے کر لیجیے کہ بھئی یہ میرا واجب الادا قرض ہے۔ اگر نقصان ہو گا تو میں اس میں شریک نہیں ہوں گا، کیونکہ میں فیصلوں میں بھی شریک نہیں ہوں، البتہ اگر نفع ہو گا تو اس میں مجھے اتنا حصہ دے دیجیے گا۔ اس منافع کو سود ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (اگست ۲۰۰۴)

شادی سے پہلے منگیتر سے بات کرنا

سوال: کیا شادی سے پہلے فون پر یا آمنے سامنے بیٹھ کر منگیتر سے بات چیت کی جا سکتی ہے؟

جواب: بات کرنے پر اسلام نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ یعنی آپ بات تو کر سکتے ہیں، اس میں دینی لحاظ سے کوئی مسئلہ نہیں ہے، لیکن ایسی چیزیں عام طور پر بڑی خرابیوں کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس لیے اس طرح کے معاملات کو اپنی معاشرتی اور تہذیبی روایات کے اندر رہتے ہوئے انجام دینا چاہیے۔ (اگست ۲۰۰۴)

صوفیا کے محیر العقول واقعات

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

سوال: قدرت اللہ شہاب صاحب کی کتاب ''شہاب نامہ'' کے آخری باب میں بعض ایسی باتیں ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ مثال کے طور پر ان کا اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ حضرت بی بی فاطمہ کی روح طیبہ کو اجازت مرحمت فرمائیں کہ وہ میری ایک درخواست اپنے والد گرامی کے حضور میں پیش کر کے منظور کرا دیں اور پھر دعا کا قبول ہو جانا۔ اسی طرح ان کو ایک خط موصول ہونا اور پھر اسی خط کا مختلف جگہوں پر پایا جانا۔ یہ اور اس قسم کی اور بھی باتیں جو وہاں درج ہیں، سب سمجھ سے بالاتر ہیں۔ ازراہ کرم اس کی وضاحت کر دیں؟

جواب: آپ کو ایسی باتیں اجنبی محسوس ہو رہی ہیں، حالاں کہ ہمارے سب صوفیا ایسی باتیں بیان کرتے ہیں۔ ان کی کتابیں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ آپ بڑے بڑے صوفیا کی کتابیں پڑھیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ ان کے مقابلے میں ان واقعات کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ ان کے مطالعے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ معراج پر جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتے ہیں، دنیا کا نظم و نسق چلاتے ہیں، راستے میں چلتی ہوئی چیونٹیاں بھی ان سے گفتگو کرتی ہیں، حتیٰ کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر کوئی کالی چیونٹی بھی اندھیری رات میں کسی سخت پتھر پر چلتی اور میں اس کی آواز نہ سنتا تو بے شک، میں یہی کہتا کہ مجھے فریب دیا گیا ہے یا میں دھوکے میں رہا ہوں۔ ہمارے جلیل القدر صوفی شاہ ولی اللہ اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے قائم الزماں کے منصب پر فائز کیا گیا ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نظام خیر میں سے کسی چیز کا ارادہ کریں گے تو اپنے

مقصد کو پورا کرنے کے لیے آلۂ کار مجھے بنائیں گے۔صوفیا کی کتب کے اس مطالعے کے بعد آپ کو محسوس ہو گا کہ قدرت اللہ شہاب صاحب تو اس معاملے میں طفل مکتب ہیں۔

میرے نزدیک جو آدمی بھی ان علوم میں دل چسپی لینا شروع کر دیتا ہے یا ایک مرتبہ اپنے آپ کو ان چیزوں کے حوالے کر دیتا ہے تو پھر اس کے بعد شیاطین جن اس کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے اور اپنے آپ کو بالکل صحیح علم پر قائم رکھنا چاہیے۔ایسی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت پر پرکھنا چاہیے جو اس نے پیغمبروں کے ذریعے سے دی ہے۔

موجودہ دور میں بھی جب ایک مذہبی رہنما نے ایسی ہی کرامات بیان کرنا شروع کیں تو ہمارے ایک دوست نے بڑی دل چسپ بات کہی کہ میں جب قدیم بزرگوں کے محیر العقول واقعات سنتا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ یہ کیسے ہوئے ہوں گے،لیکن اب معلوم ہو گیا ہے کہ ایسے ہی ہوئے ہوں گے۔(اگست ۲۰۰۴)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

نماز میں درود ابراہیمی

سوال: نماز میں تشہد کے بعد پڑھے جانے والے درود ابراہیمی کی اصل حقیقت کیا ہے؟

جواب: درود ابراہیمی اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک دعا ہے جو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کرتے ہیں۔نماز میں چونکہ بہت سی دعائیں کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے،اس لیے آپ جو چاہیں دعا کریں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم آپ کے لیے بھی دعا کرنا چاہتے ہیں تو کیا طریقہ اختیار کریں؟ آپ خاموش رہے۔جب بار بار پوچھا تو پھر آپ نے کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور کہا کہ میرے لیے اس طرح دعا کر لیا کرو۔یہی کلمات درود ابراہیمی ہیں۔

درود ابراہیمی نماز کا لازمی حصہ نہیں ہے۔نماز اس کے بغیر بھی ہو جاتی ہے۔حتیٰ کہ تشہد بھی نماز کا لازمی حصہ نہیں ہے۔نماز کے لازمی اذکار سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن ملا کر پڑھنا ہے۔اور خفض و رفع پر 'اللّٰہ اکبر' کہنا، 'سمع اللّٰہ لمن حمدہ' کہنا 'السلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ' کہنا ہے۔باقی آپ کو اجازت ہے آپ اس میں جو دعا چاہیں کر سکتے ہیں۔(اگست ۲۰۰۴)

کفار پر غلبہ کی اہلیت

سوال: قرآن کے مطابق مومنوں پر کفار غالب نہیں آسکتے، اس تناظر میں دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان کافر اور کافر مسلمان ہو گئے ہیں؟

جواب: قرآن نے ایسی کوئی بات نہیں کہی کہ مومنوں پر کفار غالب نہیں آسکتے۔ غلبہ اور مغلوبیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے کچھ قوانین ہیں۔ انھی کے مطابق غلبہ ہوتا ہے اور انھی کے مطابق مغلوبیت ہوتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ایک آدمی مومن ہے تو وہ ہر حال میں غلبہ پالے گا۔ ایمان اور عمل صالح میں صحابۂ کرام سے بڑھ کر کون سی جماعت ہوسکتی ہے، مگر اس کو بھی احد میں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ غلبے کے اسباب میں سے ایک نہایت اہم سبب مادی قوت ہے۔ قرآن میں صحابۂ کرام کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے لیے غلبے کی بشارت صرف اس صورت میں ہے، جبکہ دشمن کے مقابلے میں ان کی مادی طاقت کم سے کم آدھی ہو۔ اب تھوڑی دیر کے لیے رک کر اپنا بھی جائزہ لے لیجیے کہ ہم مسلمان اس دور میں کیا کر رہے ہیں۔ ایک غلیل پکڑتے ہیں اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ امریکہ کو فتح کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اور نتیجہ کیا نکلا، پچھلے دو سو سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے، پے در پے شکست اور پے در پے مایوسی ہے، ٹیپو سلطان کے ساتھ کیا ہوا، مہدی سوڈانی کے ساتھ کیا ہوا، انور پاشا کے ساتھ کیا ہوا، ملا عمر کے ساتھ کیا ہوا، اسامہ بن لادن کے ساتھ کیا ہوا؟ اب ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ کامیابی کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ آپ کے ہاتھ میں تسبیح اور منہ پر ڈاڑھی ہے، اس کے بعد غلبہ آپ کے لیے لکھا ہوا ہے۔ یہ جان لیجیے کہ ایسا نہیں ہے، ہرگز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ جب آپ حق پر ہوں گے تو اللہ آپ کی مدد کرے گا، لیکن مادی اسباب یعنی طاقت کا توازن کیا ہونا چاہیے، اس کا اندازہ آپ اس سے لگا لیجیے کہ صحابہ کے لیے توازن کا تناسب نصف قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد پھر اپنے طرز عمل کا بھی جائزہ لے لیجیے اور آپ حق پر کتنے ہیں، اس کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔ (اگست ۲۰۰۴)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

محمد اسحٰق

مولانا سید وصی مظہر ندوی

جماعت اسلامی سے تحریک اسلامی تک

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

[یہ مولانا وصی مظہر ندوی کے ایک شاگرد جناب محمد اسحٰق کی تحریر ہے۔ اس کے مندرجات مصنف کے مشاہدات اور تاثرات پر مبنی ہیں۔ ادارے کا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ مدیر]

آخر اللہ کی مرضی پوری ہوئی اور میرے محسن و مربی اور شفیق استاذ مولانا سید وصی مظہر صاحب ندوی کینیڈا میں ۲ جنوری ۲۰۰۶ کو ۸۲ سال کی عمر میں اس عالم فانی کو الوداع کہہ گئے۔ مولانا جہاں حیدر آباد شہر کے پہلے میئر اور وفاقی وزیر رہے، وہاں وہ حیدر آباد میں جماعت اسلامی کے مؤسس بھی تھے۔ مولانا محترم ایک نہایت طباع، ذہین، بلند حوصلہ، نیک سیرت، سادہ لوح اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ وہ اگست ۱۹۲۴ میں لکھنؤ کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید حبیب اصغر ندوی اچھا علمی اور ادبی ذوق رکھتے تھے۔

مولانا ندوی نے ابتدائی عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے والد صاحب سے گھر پر ہی حاصل کی۔ پھر والد صاحب نے ''ندوۃ العلما'' میں داخل کرا دیا۔ مولانا اپنی کلاس کے سب سے کم عمر طالب علم تھے۔ وہ ندوہ کی طلبہ تنظیم کے صدر بھی رہے۔ ندوہ میں انھیں جس طرح کے اساتذہ سے اکتساب علم کا موقع ملا، ایسے اساتذہ شاید ندوہ کو اب کبھی نصیب نہ ہوں۔ ان اساتذہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (علی میاں)، مولانا سید مسعود عالم صاحب ندوی، محمد مراکشی، مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی (امیر جماعت اسلامی ہند بھی رہے)، مولانا عبدالسلام قدوائی، مولانا محمد ناظم ندوی اور مولانا کے عم محترم سید ودود الحئی ندوی شامل ہیں۔ یہ سب اعلیٰ پائے کے استاد تھے۔

مولانا جس زمانے میں ندوہ میں زیرِ تعلیم تھے، اس زمانے میں حضرت مولانا علی میاں مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی دعوت سے بہت متاثر تھے اور اپنے تفسیری لیکچرز میں بارہا مولانا مودودی کا نام بھی لیا کرتے تھے۔ استاد کی زبان سے مولانا مودودی کا نام سن کر مولانا ندوی نے دورانِ تعلیم میں مولانا مودودی کی کتب کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ پہلی بار مولانا مودودی سے بالمشافہ ملنے کا اتفاق انھیں ۵ جنوری ۱۹۴۱ کو اس وقت ہوا جب مولانا مودودی ندوہ کے طلبہ کو ''نیا نظامِ تعلیم'' کے موضوع پر خطبہ دینے لکھنؤ تشریف لائے۔ مولانا ندوی کی عمر اس وقت ۱۷ سال تھی۔ وہ مولانا مودودی کی شخصیت اور علم سے بہت متاثر ہوئے۔ دوسری بار وہ مولانا مودودی کی تقریر ''انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل'' سننے علی گڑھ گئے، جہاں مولانا مودودی نے یہ مقالہ ۱۳۰کتوبر ۱۹۴۱ کو پڑھا تھا۔

مولانا ندوی کی بڑی بہن ٹی بی کی مریضہ تھیں۔ مولانا انھیں لے کر ۱۹۴۵ء میں جب ''نینی تال'' گئے تو وقت گزارنے کے لیے وہاں ''کوثر'' منگوانا شروع کر دیا۔ ان دنوں ''کوثر'' میں مولانا مودودی کی وہ تقاریر شائع ہو رہی تھیں جو انھوں نے جماعت اسلامی کے پہلے کل ہند اجتماع کے موقع پر اپریل ۱۹۴۵ کو بمقام دارالسلام پٹھان کوٹ میں کی تھیں۔ اس اجتماع کی تقاریر پڑھنے کے بعد مولانا ندوی نے فیصلہ کر لیا کہ اب زندگی صرف فریضۂ اقامت دین کے کام میں کھپانی ہے اور پھر گھر واپس آتے ہی غالباً ۱۹۴۵ء کے آخر میں رکنیت جماعت کی درخواست دے دی۔ مولانا کی یہ درخواست اپریل ۱۹۴۶ میں منظور ہوگئی۔ اس کے بعد مولانا ۱۹۴۶ء کے الٰہ آباد کے اجتماع میں شریک ہو گئے۔ یہ واقعہ ایسے ہوا کہ اجتماع میں شرکت کے لیے مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی جس ٹرین سے الٰہ آباد تشریف لے جا رہے تھے، وہ کچھ دیر کے لیے لکھنؤ ٹھہری، مولانا وصی مظہر ندوی اس وقفے میں مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کو اپنے گھر لے آئے اور پھر ان قائدین کے ساتھ ہی الٰہ آباد روانہ ہو گئے۔ اس اجتماع کے بعد مولانا ندوی نے واپس آ کر رکنیت کا حلف اٹھایا۔ مولانا لکھنؤ جماعت اسلامی کے مکتبہ کے انچارج اور خازن بھی رہے۔ ۱۹۴۶ء کے اجتماع میں مولانا مودودی کی شخصیت سے مولانا ندوی نے بڑا گہرا اثر لیا۔

پاکستان بننے کے بعد مولانا پاکستان تشریف لے آئے۔ مولانا بحری جہاز کے ذریعے سے کراچی پہنچے تھے، اسی لیے ابتدائی قیام کراچی ہی میں رہا۔ مولانا نے کراچی آتے ہی جماعتی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ اس وقت جماعت اسلامی کا اجتماع دکنی مسجد میں ہوا کرتا تھا اور امیر جماعت جناب خواجہ محمد صدیق صاحب درس قرآن دیا کرتے تھے۔ مولانا ندوی باقاعدگی سے اجتماع میں شریک ہوتے تھے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

مولانا ندوی اپنے ماموں کے ساتھ پاکستان آئے تھے۔ مولانا کے ماموں بھی ندوہ کے فارغ اور ایک انتہائی لائق اور ذہین آدمی تھے۔ وہ صوبۂ سندھ کے محکمۂ تعلیم کے ڈائریکٹر عمر بن داؤد پوتہ کی اہلیہ کو عربی سکھاتے تھے۔ انھوں نے داؤد پوتہ صاحب سے ندوی صاحب کا ذکر کیا تو انھوں نے مولانا ندوی کو ملنے کے لیے بلوایا اور ان کا عربی کا کچھ امتحان بھی لیا۔ ایک قصہ عربی میں لکھنے کو دیا اور کچھ دیر عربی میں بات چیت بھی کی۔ وہ مولانا سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے مولانا سے کہا کہ آپ اسی لب ولہجہ میں عربی پڑھائیے گا، ابھی ان حضرات کی یہ بات چیت جاری تھی کہ نور محمد ہائی اسکول حیدرآباد کے ہیڈ ماسٹر غلام محمد ہاشوانی صاحب آ گئے۔ داؤد پوتہ صاحب نے ان سے کہا کہ یہ آپ کے اسکول کے لیے ایک اچھے عربی ٹیچر ہیں۔ یوں مولانا ندوی ہاشوانی صاحب کے ساتھ ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد تشریف لے آئے۔

حیدرآباد میں مولانا کا قیام مدرسۂ جامعہ عربیہ تلک چاڑی میں رہا۔ یہ مدرسہ اب جامعہ عربیہ ہائی اسکول بن گیا ہے۔ اس مدرسہ کے بانی سید اکبر علی شاہ صاحب تھے۔ سید اکبر علی صاحب نے اس مدرسہ میں انجمن ترقی اردو کا دفتر بھی قائم کیا ہوا تھا۔ یہاں ان کی فرمایش پر مولانا ندوی نے عربی کا ایک ادارہ قائم کر کے عربی پڑھانی شروع کر دی، ساتھ ہی مرکز جماعت کو لکھا کہ جماعت کے ارکان و متفقین کے پتے دیے جائیں تاکہ ان سے رابطہ کیا جا سکے۔ مرکز نے ایک صاحب سید عبدالودود کا پتا دیا۔ مولانا ندوی نے ان سے رابطہ کیا۔ ان کے ساتھ ایک اور نوجوان ساتھی غلام حسین میمن بھی تھے۔ ان دو افراد کو ساتھ ملا کر مولانا ندوی نے حیدرآباد میں جماعت اسلامی قائم کی اور اورنگ زیب مسجد کے ساتھ ایک لائبریری ''مکتبۂ اسلامی'' کے نام سے قائم کی۔ اس مکتبہ میں مولانا ندوی صاحب نے ایک کامیاب تجربہ کیا کہ وہ مولانا مودودی کے خطبات کے مجموعہ سے کوئی ایک خطبہ پمفلٹ کی شکل میں شائع کرتے اور صرف ایک آنہ کی قیمت پر لوگوں کو گھر گھر جا کر یہ خطبات فروخت کرتے اور اگر کوئی بغیر پیسا دیے پڑھنا چاہتا تو اسے بھی دے دیتے۔ اس کے ساتھ ساتھ جماعت کی دعوت بھی دیتے۔ دوسرا تجربہ جو اس سے بھی زیادہ کامیاب رہا، وہ یہ تھا کہ لائبریری کی معمولی رکنیت فیس لے کر لوگوں کے نام اور پتا کا اندراج کر لیتے اور انھیں کتب مہیا کر دیتے۔ نئی کتاب آتی تو ان کے گھر جا کر انھیں پڑھنے کو دے آتے اور جب یہ کتاب واپس لاتے تو ان کی پسند کی کوئی دوسری کتاب انھیں دے آتے۔ یہ ایسا کامیاب تجربہ تھا کہ فرماتے تھے کہ کچھ عرصہ بعد لائبریری کے ممبران کی تعداد ۵۰۰ ہو گئی تھی۔

مولانا ندوی جس زمانے میں حیدرآباد ضلع و ڈویژن کے امیر تھے، تو وہ سنیچر کی شام سائیکل پر کبھی ٹنڈو جام کبھی

ٹنڈو محمد خان اور کبھی کسی اور قریبی علاقے میں چلے جاتے اتوار کی چھٹی کا پورا دن وہاں جماعت کی دعوت پہنچانے میں صرف کرتے اور شام کو واپس لوٹتے۔ لاہور سے جب جماعت اسلامی کا اخبار روزنامہ ''تسنیم'' نکلنا شروع ہوا تو مولانا صاحب فجر کی نماز پڑھ کر سائیکل پر اسٹیشن جاتے اور خیبر میل سے اخبار تسنیم لے کر انڈس گلاس ورکس سے لے کر عامل کالونی تک ایک ایک خریدار تک پہنچاتے اور پھر ۷:۳۰ بجے نور محمد ہائی اسکول پہنچ جاتے، پھر اسکول میں مختصر سی اصلاحی تقریر کرتے۔ جماعت اسلامی کے ۴ نکاتی مطالبۂ اسلامی کی مہم بھی نہایت سرگرمی سے چلاتے رہے۔ مولانا مودودی کا خطاب ''مطالبۂ نظام اسلامی'' لوگوں تک پہنچانے کے علاوہ مختلف مساجد میں پڑھ کر سناتے رہے۔

۱۹۵۳ء میں قادیانی مسئلہ پر جن افراد کو گرفتار کیا گیا تھا، ان میں سب سے پہلے مولانا عبدالستار خان صاحب نیازی کو موت کی سزا سنائی گئی، لیکن اس وقت عوام اور اخبارات پر ایسا خوف طاری تھا کہ اس خبر پر کوئی عوامی ردعمل سامنے نہیں آیا اور اخبارات نے بھی اس خبر کو ایک کالمی خبر کے طور پر شائع کیا۔ اس فیصلے کے بعد یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ اب مولانا مودودی کو بھی پھانسی کی سزا سنا دی جائے گی اور یہ اندیشہ درست بھی ثابت ہوا۔ مولانا نیازی کی پھانسی کی سزا پر مولانا ندوی نے ایک قرارداد منظور کرائی اور خطیبوں کو تیار کیا کہ وہ یہ قرارداد مساجد میں پاس کرائیں۔ اس قرارداد کا اثر یہ ہوا کہ جب مولانا مودودی کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا گیا تو اخبارات نے اس خبر کو شہ سرخیوں سے شائع کیا۔ اس کے نتیجے میں جمود دور ہو گیا۔ مولانا ندوی یہ خبر ریڈیو پر اخبارات آنے سے پہلے ہی سن چکے تھے۔ وہ یہ خبر سننے کے بعد ایک رکن جماعت نجم الدین صاحب کے گھر گئے اور ان کے گھر کے فون کے ذریعہ سے دیگر ارکان کو جمع کیا۔ ۱۰، ۱۲ آدمی جمع کر کے انھوں نے حیدر آباد میں ہڑتال کرانے کا پروگرام بنایا۔ وہ تلک چاڑی کے انجمن تاجران کے صدر سے ملے اور انھیں ہڑتال کے لیے تیار کیا۔ انھوں نے پورا بازار بند کرا دیا پھر مختلف جگہوں پر احتجاجی ریلی کے ذریعہ سے ایسی کامیاب ہڑتال کرائی کہ سگریٹ اور پان تک کے کیبن بند کرا دیے۔ پھر اسی روز رات کو ایک جلسہ کیا جس میں میر رسول بخش تالپور اور مولانا عبدالقیوم کانپوری اور مزید کئی لیڈر بھی شامل ہوئے۔ ان سب نے بڑی زوردار تقاریر کیں۔ یہ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ مولانا ندوی کے اس جلسے اور ہڑتال نے پورے ملک کو رہنمائی دی۔ اس خبر پر پہلے دن صرف حیدر آباد ہی میں احتجاج ہوا تھا۔ بقیہ ملک میں اس کے بعد ردعمل سامنے آیا۔

مولانا ندوی ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۴ء تک نور محمد ہائی اسکول میں پڑھاتے رہے۔ پھر ۱۹۵۴ء ہی میں سندھ اورینٹل کالج میں پڑھانا شروع کر دیا اور غالباً ۱۹۵۷ء تک پڑھاتے رہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.net

۱۹۵۷ء کے قریب کچھ معاشی حالات کے پیش نظر ''ادارۂ اسلامی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور ۵ روپے ماہانہ پر لوگوں کو عربی پڑھانا شروع کر دی، پھر نواب شاہ ہائی اسکول میں شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج قائم کرنے کی منظوری حاصل کر لی تھی، لیکن مولانا شفیع نظامانی اور مولانا جان محمد بھٹو کے اصرار پر منصورہ ہالا میں شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج قائم کیا اور ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۹ء تک کالج کی نظامت کے فرائض ادا کیے۔ ۱۹۶۳ء میں جب جماعت اسلامی پر پابندی عائد کر کے اس کی مرکزی مجلس شوریٰ کے ارکان گرفتار کر لیے گئے تو مولانا کو بھی حوالۂ زنداں کر دیا گیا۔

جماعت اسلامی کی تاریخ میں ۵۶-۱۹۵۸ء کا دور ایسا تھا کہ جماعت اسلامی کی تاسیس سے تاامروز اس دور سے زیادہ شدید بحران نہیں آیا۔ اس دور میں جماعت اسلامی نے بقول اہلیہ شیخ سلطان احمد صاحب (رکن جماعت اسلامی) ''اپنی جھولی سے ہیرے نکال پھینکے تھے۔'' اس بحرانی دور میں جب جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پر شوریٰ میں بحث جاری تھی تو مولانا ندوی مولانا مودودی کے رویے سے بہت دل برداشتہ ہوئے اور انھوں نے شوریٰ سے واپسی کے بعد مولانا مودودی کو خط میں لکھا کہ:

''مجھے شوریٰ میں آپ کے رویے سے بہت دکھ ہوا آپ میں وہ صبر و تحمل نہیں تھا جو آپ کے مزاج کا حصہ رہا ہے۔ آپ ان لوگوں کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے کہ جو آپ کی تائید کر رہے تھے اور ان لوگوں کی تقاریر میں مداخلت کر رہے تھے جو آپ کی مخالفت کر رہے تھے۔''

اس کے جواب میں مولانا مودودی نے مولانا ندوی کو سخت الفاظ میں ایک خط لکھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ جماعت میں اگر کسی کو کچھ کام کرنے کا موقع ملا ہے تو اسے اپنی حیثیت پہچاننی چاہیے۔ مولانا ندوی نے اس خط کے بعد رکنیت جماعت اور شوریٰ کی رکنیت کے علاوہ سب عہدوں سے استعفیٰ دے دیا۔ مولانا ندوی اس زمانے میں بقیہ ارکان جماعت کو بھی سمجھاتے رہے کہ استعفیٰ دینے کے بجائے جماعت کے اندر رہ کر اصلاح کرنے کی کوشش کی جائے۔ کوٹ شیر سنگھ میں شوریٰ کا اجتماع رکھا گیا۔ اس اجتماع میں مولانا مودودی نے جو تقریر ارکان شوریٰ کو بریف کرنے کے لیے کی، اس میں کہا کہ:

''جمہوریت جو کسی اسٹیٹ میں ہوتی ہے، وہ اور ہوتی ہے اور جو جمہوریت کسی تحریک میں ہوتی ہے، وہ دوسری قسم کی ہوتی ہے، مثلاً اسٹیٹ کی جمہوریت میں حزب اختلاف وغیرہ ہو سکتی ہے، لیکن تحریک میں اصل کام امیر کا ہوتا ہے اور اصل ذمہ داری بھی، وہی پارٹی لائن طے کرتا ہے، جبکہ شوریٰ امیر کی رائے کو زیادہ بہتر بنانے کے لیے صرف تجاویز دے، یہ نہ ہو کہ شوریٰ امیر کی رائے کے خلاف کوئی رائے دے؟''

مولانا مودودی کی اس تقریر کے بعد مولانا ندوی نے اپنی تقریر یہ کہتے ہوئے شروع کی کہ ''مولانا مودودی کے

افتتاحی خطاب کے بعد تو مجھے یہ تقریر کرنا ہی نہیں چاہیے تھی، کیونکہ اس سے جماعت میں پھر حزب اختلاف بنے گی، لیکن یہ قرارداد اس لیے پیش کرنا ضروری ہے کہ میری نظر میں مولانا کا نقطۂ نظر غلط ہے۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں، کیونکہ جس تحریک میں اختلاف رائے اور اظہار خیال کی آزادی نہ ہوگی، جب وہ کامیاب ہو کر ایک اسٹیٹ میں تبدیل ہوگی تو اس میں بھی یہی صورت حال ہوگی اور کہا جائے گا کہ اسٹیٹ کے دشمن بہت ہیں، لہٰذا اسٹیٹ میں اختلافی رائے یا حزب اختلاف کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔''

مولانا ندوی کی اس تقریر کے بعد مولانا مودودی نے اپنی یہ تقریر جو ''تسنیم'' لاہور میں چھپنے جا چکی تھی، ایک آدمی کو بھیج کر چھپنے سے رکوا دی اور پھر جماعت اسلامی نے اس تقریر کو کبھی شائع نہیں کیا۔شوریٰ کے وقفہ میں مولانا اصلاحی نے مولانا ندوی کو شاباش دی اور کہا کہ ''بھئی تم نے تو کمال کر دیا۔'' اسی زمانے میں مولانا ندوی کا مولانا مودودی کی آرا سے ٹکراؤ ہوا اور یہ وہ دور تھا کہ بقول حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی: ''میں وہ ہوں کہ میری آنکھیں انتہائی تاریکی میں بھی روشنی ڈھونڈ نکالتی ہیں۔لیکن اس وقت مجھے بھی روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آ رہی۔'' اس زمانے کا ایک خوب صورت تبصرہ مولانا اصلاحی کے گشتی مراسلہ کا مجھے یاد آ رہا ہے۔فرماتے ہیں: ''اس نئے دستور کو کوئی سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو، مگر میں ضرور سمجھتا ہوں اس کا خلاصہ دو نکتوں میں یہ ہے کہ سارے اختیارات مجلس عاملہ کو حاصل ہیں اور مجلس عاملہ امیر جماعت کی جیب میں ہے!''

خیر اس بحث کو چھیڑنا میرا مقصود نہ تھا، بلکہ میں تو اس وقت کے حالات اس لیے سامنے لا رہا ہوں کہ اندازہ ہو سکے کہ اتنے بحرانی اور اختلافی دور میں بھی مولانا ندوی نے جماعت سے شدید اختلاف کے باوجود رکنیت سے استعفیٰ نہیں دیا اور جماعت میں رہ کر اصلاحی کوششیں جاری رکھیں۔

اس بحث و نزاع اور بقول مولانا اصلاحی برے مشیروں کا اندازہ مولانا مودودی کو اس وقت ہوا جب وہ ''خیر خواہ اور مخلص مشیروں'' کی ٹیم کو اپنی غلط پالیسیوں کا شکار بنا چکے تھے اور جماعت اسلامی غلط پالیسی کے نتیجے میں ایک غلط موڑ مڑ چکی تھی۔لیکن مولانا مودودی کو اس کا احساس ہوتے ہی انھوں نے ۵۵-۱۹۵۶ء کی جائزہ کمیٹی کی طرز کی ایک قرارداد فروری ۱۹۷۲ء کی مرکزی مجلس شوریٰ میں خود پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ:

> ''جماعت اپنے آپ کو سیاسی محاذ سے پیچھے ہٹائے گی اور رابطۂ عوام مہم صالح قیادت کی تبدیلی کے نام پر نہیں، بلکہ رجوع الی اللہ کے نام پر شروع کرے گی۔''

اب بجائے اس کے کہ اس قرارداد پر عمل کیا جاتا مولانا مودودی کی علالت کے باعث، اس قرارداد کو پس پشت ڈال دیا گیا اور میاں طفیل محمد صاحب نے دستور کی سات نکاتی مہم شروع کر ڈالی جس کے لیے مولانا مودودی نے

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

میاں صاحب کو منع کیا اور فرمایا کہ ''آپ ان چیزوں میں نہ پڑیں۔'' مذکورہ بالا قرارداد کے بعد جماعت کی سیاسی سرگرمیوں پر مولانا ندوی نے صوبۂ سندھ کے ارکان کا اعلان ہو جانے کے بعد امیر صوبۂ سندھ کو ایک قرارداد پیش کرنے کا نوٹس بھیجا۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ صوبۂ سندھ کے ارکان کا یہ اجتماع محسوس کرتا ہے کہ انتخابی سیاست اور طریقۂ کار کے ذریعہ سے اسلامی انقلاب کی جو کوشش کی جا رہی ہے، وہ قابل اطمینان نہیں، مرکزی شوریٰ کے اجلاس بھی اس ضمن میں ہو چکے ہیں، لہٰذا کل پاکستان اجتماع بلا کر اس مسئلہ کو زیر غور لایا جائے۔

مولانا ندوی نے امیر صوبہ کو قرارداد کا متن بھیجا اور ساتھ ہی یہ لکھا کہ: ''اگر آپ نے یہ قرارداد مجھے پیش کرنے کی اجازت نہ دی تو میں ارکان تک یہ قرارداد براہ راست بھیجوں گا۔'' لیکن امیر صوبہ نے جواب دیا: ''چونکہ یہ بات مرکزی شوریٰ سے متعلق ہے، لہٰذا اسے یہاں زیر غور نہیں لایا جا سکتا۔'' پھر امیر صوبہ کو مولانا نے لکھا کہ ارکان، بے شک یہاں کوئی فیصلہ نہیں کریں گے، لیکن قرارداد کے پاس کرنے کے بعد کل پاکستان کا اجتماع بلانے کا مطالبہ تو کریں گے، فیصلہ تو کل پاکستان اجتماع ہی میں ہوگا۔ امیر صوبہ کی طرف سے مذکورہ بالا قرارداد کو اجتماع ارکان سندھ میں پیش کرنے کی اجازت نہ ملنے پر مولانا ندوی نے اس قرارداد کی ۵ فوٹو کاپیاں مختلف ارکان کو بھیج دیں اور ان سے یہ کہا کہ جو اس قرارداد سے متفق ہوں، وہ دستخط کر کے مختلف ارکان تک یہ کاپیاں بھیج دیں۔ اس قرارداد پر اس طرح ۲۷، ۴۷ ارکان نے دستخط کر دیے۔

سندھ کے اجتماع ارکان میں میاں محمد شوکت صاحب نے مولانا ندوی پر نجویٰ اور سازش کا الزام لگایا اور ان کے خلاف ایک تقریر کی۔ مولانا نے فرمایا کہ نجویٰ قرآن مجید میں کانا پھوسی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ میں نے تو یہ قرارداد پیشگی اطلاع کے بعد ارکان کو دی ہے، اس پر میاں صاحب نے مولانا کا مذاق اڑایا اور فرمایا کہ نجویٰ اسے بھی کہتے ہیں۔ بہر حال اس اجتماع کے بعد مولانا ندوی صاحب کو ۳۲ صفحات پر مبنی فیصلہ، جماعت سے اخراج کا بھیج دیا گیا۔ یہ فیصلہ صوبے کی سطح پر ہوا۔ مولانا ندوی اس وقت حج پر روانہ ہو رہے تھے۔ حج پر روانہ ہونے سے پہلے انھوں نے ایک مختصر اپیل امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں طفیل محمد صاحب کے نام لکھی کہ: ''جماعت سے میرے اخراج کا فیصلہ کر دیا گیا ہے جس کا مجھے اندیشہ تھا، آپ اس فیصلے کو معطل کریں تا آنکہ میں حج سے واپس آ کر مفصل اپیل دائر کر سکوں۔'' یہ اپیل مقامی جماعت نے آگے نہ پہنچائی اور ندوی صاحب نے ڈھائی ماہ انتظار کرنے کے بعد مرکز کو لکھا کہ: ''آپ نے میری اپیل کا جواب نہیں دیا تو ممکن ہے کہ میں اپنے حق کے لیے سول کورٹ سے رجوع کروں۔'' تب مولانا اسلم سلیمی صاحب نے جواب دیا کہ آپ کی کوئی اپیل مرکز کو نہیں ملی، پھر ندوی صاحب نے اپیل کی کاپی مرکز جماعت کو بھجوائی

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.net

(یہ اپیل مقامی جماعت کو دینے کا سبب یہ تھا کہ کہیں ڈاک سے یہ اپیل سنسر ہو جائے اور جماعت کے اندرونی اختلاف کا حکومت کو علم ہو جائے)۔

حقائق معلوم ہونے پر اسلم صاحب نے مولانا ندوی صاحب کو ایک ماہ کی مزید مہلت دی۔ اس کے بعد مولانا ندوی نے ایک مفصل اپیل مرکز جماعت کو بھیجی، مگر دو ڈھائی ماہ تک اس اپیل کا بھی کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

اسی زمانے میں میاں طفیل محمد صاحب اور پروفیسر عبدالغفور صاحب کے بیانات اخبارات میں چھپے کہ جماعت اسلامی، مسلم لیگ کے ساتھ انضمام کے لیے تیار ہے۔ ان بیانات کے چھپنے پر مولانا مودودی جو عملی سیاست سے جماعت اسلامی کو ایک بار پھر دعوتی تحریک بنانا چاہ رہے تھے، بہت ناراض ہوئے اور میاں صاحب اور پروفیسر عبدالغفور صاحب کے بیانات کے خلاف مولانا مودودی نے ایک بیان اخبارات کو چھپنے کے لیے بھیجا۔ مگر میاں طفیل محمد صاحب کے سیکرٹری نشر و اشاعت نے اس بیان کو اخبارات میں چھپنے سے روکنے کی سر توڑ کوشش کی جس کے نتیجے میں اخبارات کے دفاتر سے مولانا مودودی کے پاس فون آنے لگے کہ کیا آپ اپنا بیان واپس لے رہے ہیں؟ تو مولانا مودودی نے اس پر فرمایا کہ ''میں اپنا کوئی بیان دے کر واپس نہیں لیتا'' اور مولانا مودودی کا یہ بیان میاں صاحب کی کوششوں کے باوجود ''نوائے وقت'' اور ''مشرق'' میں چھپ بھی گیا۔ مولانا مودودی کے اس بیان کو پڑھنے کے بعد ندوی صاحب نے مرکز کو لکھا کہ: ''آپ نے میری اپیل کا کوئی جواب تک نہیں دیا اور اب آپ حضرات چونکہ مسلم لیگ سے انضمام کے لیے بالکل تیار ہیں، تو میرے نزدیک موجودہ جماعت اسلامی وہ جماعت ہی نہیں رہی جس میں میں نے شمولیت اختیار کی تھی، اس لیے میں اپنی اپیل واپس لیتا ہوں۔''

جس اپیل کا جواب مرکز جماعت سے دو، ڈھائی ماہ تک نہیں آیا تھا، اس اپیل کو واپس لینے پر مرکز نے فوراً جواب دینا اپنا اولین فریضہ خیال کیا اور مولانا ندوی صاحب کو لکھا کہ: ''آپ نے اپنی اپیل واپس لے لی ورنہ ہم نے تو دو آدمیوں کا ٹریبونل بنا دیا تھا۔ یہ ٹریبونل مولانا گوہر رحمان اور مولانا معین الدین خٹک پر مشتمل تھا۔'' اس جواب میں اپنے پرانے رکن کے ساتھ چھوڑنے پر کسی نے افسوس کا بھی اظہار نہ کیا اور یوں اپریل ۱۹۴۶ میں جماعت اسلامی میں شمولیت کا یہ سفر تقریباً تیس سال بعد ۱۹۷۶ء میں ختم ہو گیا۔ مولانا صاحب اس عرصہ میں جماعت اسلامی لکھنؤ کے خازن اور مکتبۂ جماعت کے انچارج بنے۔ بیس سال مرکزی شوریٰ کے رکن رہے۔ حیدرآباد ضلع و ڈویژن کے امیر رہے۔ صوبۂ سندھ حلقۂ زیریں سندھ کے قیم رہے۔ مولانا مودودی نے اپنی زندگی میں جو آخری مجلس عاملہ منتخب کی تھی، اس کے رکن رہے۔ دستوری مباحث کے لیے جو شوریٰ کے اجلاس ہوئے، ان میں اپنی آرا و مشورے

کے لیے تشریف لے جاتے رہے۔ جماعت اسلامی کے دستور کی تدوین و ترتیب کے لیے جو کمیٹی بنی تھی، اس کے رکن بھی رہے۔

اس کے علاوہ جماعت اسلامی کا ایک گشتی شفاخانہ اور دو سکونتی شفاخانے قائم کیے۔ عوام کے اخلاق کی اصلاح کے لیے ''انجمن اصلاح و خدمت'' نامی تنظیم قائم کی اور جماعت اسلامی کے اخراج کے بعد بھی دعوت کا کام انجام دینے کے لیے نظام اسلامی پارٹی میں شمولیت اختیار کی اور اس کے صدر رہے، پھر علامہ جاوید احمد صاحب غامدی کے ساتھ ''انصار المسلمون'' نامی تنظیم قائم کی اور اس کے بھی صدر رہے، اس طرح جو عہد جوانی میں کر چکے تھے کہ اب ساری زندگی فریضۂ اقامت دین میں کھپانی ہے، کسی نہ کسی طرح اسے نبھاتے رہے۔ دعوت کے کام کے سلسلہ میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ بھی برابر تعاون کرتے رہے اور جب ضیاء الحق صاحب نے اسلامی نظام نافذ کرنے کے دعوے کیے تو ان کے ساتھ بھی امیدیں وابستہ کر کے وزارت مذہبی امور قبول کر لی اور اپنی بساط بھر ایک بے داغ سیاست کا نمونہ لیڈروں کو دے گئے۔

۱۹۹۶ء میں تحریک اسلامی سے متعارف ہوئے اور انھوں نے تحریک کا لٹریچر اور دستور پڑھ کر یہ اطمینان کر لیا کہ تحریک میں امیر کے اختیار لامحدود نہیں، بلکہ وہ شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہے تو تحریک سے خط کتابت شروع کی اور مکمل اطمینان کے بعد اکتوبر ۱۹۹۷ میں تحریک کی رکنیت کی درخواست دے دی اور اپنی پیرانہ سالی کے باوجود دعوت کا کام بہت جوش اور انہماک سے کرنے لگے۔ مدرسہ جامعۂ اسلامیہ میں ہفتہ وار درس قرآن کا آغاز کر دیا پھر حیدر آباد سے کینیڈا شفٹ ہونے کے بعد وہاں بھی تحریک کا کام کرتے رہے اور باقاعدگی سے اپنی رپورٹ مرکز کو بھجواتے رہے۔ کینیڈا میں ایک ریسرچ لائبریری قائم کی۔ کینیڈا میں ریڈیو پر تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا اور وہاں ایک حلقۂ احباب قائم کر کے درس قرآن کے ساتھ ساتھ شاہ ولی اللہ کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا درس بھی دینا شروع کر دیا۔ ان دروس کا پہلا حصہ کتابی شکل میں کینیڈا سے شائع ہو گیا ہے۔ حیدر آباد میں تحریک اسلامی کے پہلے امیر بنے اور تحریک اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے رکن بھی رہے، اس طرح تبلیغ و دعوت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اس جہان بے ثبات کو خیر باد کہہ گئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net